AlislamReal.org

ماہانہ آنلائن

الاسلام ریئل

تحقیقی مجلہ

جلد نمبر 1: شمارہ نمبر 1: اگست 2020ء

مضامین ارسال کرنے اور مجلہ کے حصول کے لیے رابطہ فرمائیں۔

Magazine@AlislamReal.Org

03004907617-03450580470

شائع کردہ:

AlislamReal.org

فہرست

ردِ انجینئر مرزا

متفرقات

اداریہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ جس نے انسانوں کے لئے سلسلہ نبوت کا آغاز سیدنا آدم علیہ السلام سے کیا اور نبوت کے اس سلسلے کا اختتام حضرت محمد ﷺ پر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اب قیامت تک کے انسانوں کے نبی صرف آپ ﷺ ہی ہیں۔

آپ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی انسان کو نبوت نہیں ملنی اس لئے آپ ﷺ نے قیامت تک کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ اور فتنوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ جوں جوں قیامت قریب آتی جائے گی فتنوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

موجودہ دور تو اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں لا مذہب قوتوں کی جانب سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شکوک و شبہات کے تیر چلائے جا رہے ہیں۔ اس لئے اس وقت ضرورت تھی کہ اسلام پر اعتراض کرنے یا شکوک و شبہات پیدا کرنے والوں کے شبہات کا تسلی بخش جواب دیا جائے۔ اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر "**الاسلام رئیل**" مجلے کا آغاز کیا گیا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ ہر ماہ مختلف موضوعات پر تحقیقی مضامین موجود ہوں جس کو پڑھ کر عوام و خواص کی تسلی کا سامان ہو سکے۔

ہمارا مقصد صرف اسلام کی طرف اٹھنے والے ہر فتنہ کا علمی جواب دینا ہے اور اس کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا۔ ہمارے موضوعات میں ۔ دفاع اسلام۔ دفاع قرآن ۔ دفاع حدیث ۔ ختم نبوت۔ تقابل ادیان۔ رد الحاد۔ رد فتنہ جدیدیہ۔ اسلامی تاریخ۔ اسلامی سائنس ۔ مغربیت اور عصر حاضر۔ جیسے موضوعات شامل ہیں۔

اپنے آفیشیل، نان آفیشیل ریسرچ پیپرز، آرٹیکلز، مقالہ جات، سابقہ آرٹیکلز، ہمیں ارسال کریں تاکہ انہیں الاسلام رئیل مجلہ میں شائع کیا جاسکے۔

مضمون فرقہ واریت۔ تعصب۔ طنز و فریب۔ سے پاک ہونا چاہیے۔ لکھاری کا مقصد جہاں رد مقصود ہے وہاں انداز تبلیغ کو بھی مد نظر رکھے۔

مضمون باحوالہ ہونا چاہیے۔ حوالے نمبر وار مضمون کے آخر میں درج ہوں، الفاظی غلطیوں سے پاک ہونا چاہیے۔ طوالت کی کوئی قید نہیں۔

اس سلسلہ میں "**الاسلام رئیل**" کی ٹیم کی طرف سے میں **مسلم مسیحی مکالمہ کی ٹیم** جس میں محترم عبد اللہ غازی (ایم اے، ایم فل۔ ایم ایڈ سکالر، محقق سامی مذاہب) محترم عثمان احمد (ریسرچ سکالر) رانا محمد سلیم (اسلامک سکالر) محترم منیر عالم صاحب، محترم اویس اختر ریسرچر،
دعوت و اصلاح مسلم مسیحی مکالمہ کی ٹیم جس میں محترم سہیل صدیقی (ریسرچ سکالر) محترم عارف محمد جنوبی افریقہ (ریسرچر)۔
الحاد ڈاٹ کام ویب سائٹ، **مضامین ڈاٹ کام** ویب سائٹ، ویب سائٹ **سنی لائبریری** کی پوری ٹیم، **مجلہ زندگی نو مدیر محی الدین غازی** (بھارت) **مجلس دار التحقیات انٹرنیشنل** (بھارت)، اس کے علاوہ **محترمہ ام کلثوم** (ریسرچ سکالر پنجاب یونیورسٹی)، **محترمہ حافظہ بشریٰ ملک** (پی ایچ ڈی سکالر یونیورسٹی آف لاہور)، **حافظ ابن جنید مصطفائی**، **منیب چشتی**، **عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت** اور ان کے مبلغ جناب **حضرت مولانا عبد الحکیم نعمانی**، **محمد رفعت خان** (ایم فل سکالر یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کوہاٹ)، **باب العلم ریسرچ فاؤنڈیشن (پاکستان)**، **سید محمد وقاص (مُدرس علُومِ بائبل)**، **محترم محمد طٰہٰ المنشاوی**، **مولانا عبید اللہ لطیف** (مناظر ختم نبوت)، **اسد الطحاوی حنفی** (فاضل علوم حدیث)، **سلمان احمد** (محقق ختم نبوت)، **محمد توصیف خالد** (مدرس درس نظامی)، **مولانا سعد نعیم** (فاضل درس نظامی)، **خیر البشر ٹرسٹ** (شاہکوٹ) **حضرت مولانا احمد رضا رضوی** (فاضل علوم اسلامیہ)، **حسن معاویہ چنیوٹی** (شعبہ صحافت)، **محمد عمیر خالد**، **محترم ذین العابدین**، **مولانا ابو الحسین جامی**، **محمد نعمان شاہ** (انگلینڈ)، محترم نوید رسول شکر گڑھ، محترم عدنان رشید اور ان تمام ساتھیوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا ہے اور اپنے تحقیقی مضامین "**الاسلام رئیل**" مجلہ کے لئے بھیجے ہیں اور آئندہ بھی اپنے مضامین بھیجتے رہیں گے۔

ایڈیٹر

سعد کامران

مقالہ نمبر ایک:از سلسلہ " دین بھلائی ہے"

اہل دین سے جس طرح دین پیش کرنے کا تقاضا ان کا شرعی واجب ہے

(ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ)[1]

تمہید مقال

ایک علمی مشاورتی میں ہمارے ایک بین الاقوامی دعوتی تجربہ کار اور صاحب علم وفضل، اسلام اور امت مسلمہ کے لئے دردمند دل رکھنے والے مخلص ے، چار فکری اور تحریکی ضروری امور میں سے درجے کے اعتبار سے ترجیحی طور پر افضل واعلیٰ، اور شروع کرنے کے اعتبار سے اولین کہ جس سے آغاز کیا جائے، کے بارے تعین کا سوال کیا کہ کس عمل سے ابتدا کی جائے؟

1. دین اسلام کو مثبت انداز میں پیش کرنے سے؟
2. اصحاب رسول ﷺ کے خلاف بولنے والوں کے رد سے؟
3. حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کو جاری سمجھنے والی قادیانی جماعت کے رد سے؟
4. حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کو جاری سمجھنے والی بہائی جماعت کے رد سے؟
5. نیز پانچواں امر جس کا مجھ سے سوال ہوا وہ یہ کہ ان کاموں میں سے آپ کون کون سا کام کر سکتے ہیں؟

اسی مجلس مشاورت میں جملہ احباب بندے کے ایک عربی مقالے جس کا عنوان " دین " ہے کی وڈیو کیسٹ کا مشاہدہ کر رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ آج اگرچہ ہمارا موضوع سخن "انکار ختم نبوت کا فتنہ ہے"۔ مگر میں نے آپ کی خدمت میں " دین " کے عنوان پر ایک جامع پروگرام کو پیش کرنے کو کیوں

---

[1] ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ۔ شیخ الحدیث مکہ مکرمہ۔ مدرس جامعہ صولتیہ، مکہ مکرمہ۔ پی ایچ ڈی۔ مصنف کتب ومقالات کثیرہ

ترجیح دی ہے ؟۔میں نے مزید یہ بھی کہا کہ میں تو ہمیشہ اپنے علمائے کرام کے تربیتی کورسز میں اس موضوع کے بیان کو اولین حثیت دیتاہوں، جس کی دو وجوہ ہیں:

اولاً:۔ خیر امت کا اولین عمل امر بالمعروف اور دوسرا نہی عن المنکر ہے۔ قرآن نے بھی اسی ترتیب سے ان کا ذکر کیا ہے، لہٰذا **دین کا مثبت انداز میں بیان کرنا اولین امر بالمعروف ہے۔**

ثانیاً:۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ اگر ہم دین کے صحیح فہم کے بعد حکمت سے پ اسلوب بیان اور دین کی جامعیت او شمول کو سامنے رکھ ک اسے بطور افضل ترین دستور حیات انسانیت پر پیش کریں تو نہ صرف یہ کہ حق خالص پھلے گا بلکہ دین کے نام پر قائم ہر فتنے کا رد بھی انشااللہ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔بلکہ اس پر مسزاد اللہ کے فضل سے ہمیں ہر فتنے کے اسباب و عوامل پر بھی مکمل بصیرت حاصل رہے گی، کیونکہ دین کو مذکورہ انداز سے یعنی فہم سلیم، اسلوب حکیم، جامعیت و شمول بطور افضل دستور حیات کے طور پیش کرنے سے انسانی افکار کی ایسی اصلاح ہو گی کہ حق ان میں راسخ ہوتا جائے گا۔اور وہ کسی لادینی تحریک اور سوچ کو قبول نہیں کریں گے۔یہی سب سے بڑا امر بالمعروف ہے مگر جب کوئی فتنہ اپنا کام شروع کردے۔تو نہی عن المنکر کی اعلیٰ ترین قسم فکری انحراف کا علاج و معالجہ ہے۔یادرہے کہ انسانی فکر سلیم جس طرح ہر خیر کا مصدر رہے، اسی طرح اگر وہ بگڑ جائے تو وہ ہر شر کا مصدر بن جاتی ہے۔

دین کا جامع تعارف فکر سلیم کی کافی و شافی غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے، امتِ مسلمہ کی تاریخ میں دین کے نام پر قائم فتنے یا تو اغیار کی سازش سے ہوتے رہے ہیں یا داخلی عناصر کے شر سے یا پھر دین کے بارے فہم و بیان میں نقص یا اس کی جامعیت کے بارے میں کج فہمی اس کا سبب بنتا رہا ہے۔لہٰذا دِین کے بارے درست تصور سے حق کا احقاق اہل تشکیک کے شکوک و شبہات کا ازالہ، اہل فتنہ کے فتنوں کے اسباب عوامل کا علم اور ان کے قلع و قمع کرنے کے بارے پوری بصیرت یقیناً حاصل ہو گی۔

اہل دعوت کے اس طرح کے اسلوب عمل سے ایک طرف امر بالمعروف اور دوسری طرف نہی عن المنکر ہر دو کی اقامت بھی ہو گی۔"دین" کے بارے میں یہ عمل ہمیں ہر حال میں اصولی طور پر کرتے رہنا چاہیے۔جہاں تک کسی مخصوص فتنے کے بارے علمی و فکری حرکت کا سوال ہے تو ہ مخصوص فتنے سے دین کا تحفظ تو اس مخصوص فتنے کے قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلی انحراف کے مطالعہ کرنے کے بعد قرآن و سنت کی روشنی اور سلف صالحین کے اسلوب تعامل کے مطالعہ سے اس کے رد کا طریق کار طے ہو گا۔رَدِّ فتن کے اس عظیم عمل صالح کی ضرورت و اہمیت اور اس عظیم فضیلت کی خصوصاً اس زمانے میں اس کے کنے کے اجر و ثواب کے بارے جاننا اور لوگوں کو بتانا بھی نہایت ضروری ہے۔ہمارے نبی کریم ﷺ نے دین کے تحفظ کے لیے آخری زمانہ میں کام کرنے والوں کو امت کے سابقین اولین جیسے اجر و ثواب کی خوشخبری دی ہے۔نیز یہ بھی فرمایا کہ میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ اس عمل (رَدِّ فتن) میں کوشاں رہے گا جو دِینِ اسلام کو ہر غلو کرنے والے کے غلو اور اس دین کے حقائق کو مسخ کرنے والے کی باطل تحریف کاف کرتے ہوے دین کے صاف ستھرے اور منور چہرے کو پیش کرے گا۔لہٰذا دین کو بہترین اسلوب سے پیش کرنا۔اور دین کے نام پر فکری انحرافات کا رد ہر دو عمل خیرِ امت کے خیر الاعمال ہیں۔

امت مسلمہ کا جو فرد یا جماعت، اس عمل جلیل کو سر انجام دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ:

اولاً: اس کے قلب میں کسی انسانی فرد کے لئے کدورت، اس کی تحقیر، اس کی اہانت، اس کے لیے حقد وحسد اور بغض کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو۔ یہی وراثت نبوت کا وہ مقام عالی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے لئے امت کا ناصح اور امین ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔

ثانیاً: دین کے تحفظ وحمایت اور ردّ فتن کے تمام تر مراحل میں اس کاز کے لئے کام کرنے والے کی غرض صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

ثالثاً: اس عل جلیل پر اجرت اور اجر وثواب صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہی سے اسے وصول کرنا ہے۔ یہی وہ مقام نبوت ہے جس کا انبیاءؑ صاف طور پر اعلان کرتے رہے کہ دین کی امانت کی ادائیگی میں ہم امین ہیں، ہم ناصح ہیں، نیز ہمارا اجر وثواب صرف رب العالمین سے ہی ہمیں لینا ہے۔ گویا اپنے مخاطبین سے انہیں کسی مادی منفعف کا کوئی لالچ نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جو وارثانِ انبیاء سے مطلوب ہے اور یقیناً یہ بڑا ہی بلند مرتبہ ہے۔

اس عظیم فکری پرواز کی بلندی، نیت کی صفائی، غرض وغایت کی وضاحت کا احساس وشعور، یہ سبھی اہم ترین امور ہیں جن کا استحضار ہر حال میں " دین " کے نام پر کام کرنے والوں کو رہنا ضروری ہے۔ اور ان کا پیشگی طور پر ادراک اور رسوخ بھی اس عمل جلیل کا تقاضہ ہے۔ پھر جس مقام پر دین کی گفتگو کرنے والا کھڑا ہے وہ محراب ومنبر ہو یا مسند درس وتدریس یا بین الاقوامی جدید ابلاغ عامہ کے ذرائع ہر موقع پر دین کے نام پر گفتگو کرنے والے کو ان جملہ امور کے دائمی استحضار کے ساتھ ہی بات کرنا ہے۔ اور کرتے رہنا ہوگا۔

چونکہ ہر دور میں پھر متنوع انسانی طبقات کے ہر طبقہ میں دین کے درست مفہوم کو پیش کرنا، اسے انسانی قلوب میں راسخ کرنے کی سعی۔ یہی اولین عمل ہے جس سے ہمیں آغاز کرنا ہوگا۔ اور اسی پر انتہا بھی، لہٰذا دین کی اس عظیم خدمت کی ادائیگی سے قبل اس کی پیشگی ضروری امور کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

متکلم دین کی فکری ارتقاء:

دین پر گفتگو کرنے والے کی خود اپنی فکری ارتقا کہاں تک ہو؟ اس کی نیت میں اخلاص اور یقین کی کیفیت کیا ہو؟ اس کی غرض وغایت کیا ہو؟۔ یہ سب پیشگی امور کہلاتے ہیں۔ دین کے نام گفتگو کرنے والے کا یقین محکم ہو کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے یں دین کے لئے جدوجہد کرنا، یہ وراثت نبوت کا عالی مقام ہے۔ ہمارا دین خالق کا عالمگیر خطاب ہے جو پوری انسانیت کے لئے ایک جامع، کامل وشامل اور کامیاب ترین دستور حیات ہے۔ جس کی مدت عمل جس کی تاثیر کی صلاحیت اس کے زمانہ نزول سے تا قیامت قائم رہے گی۔ اتنا اہم اتنا نافع اتنا ضروری پیغام جو خود اپنی قوت تاثیر رکھتا ہے، وہ خود کسی سے متاثر نہیں ہوتا۔

اب اس عظیم انسانی پروگرام کو پیش کرنے والے کو عالی ہمت، صاحبِ عزمیت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی تمام تر جدوجہد کو صرف اور صرف رضائے خالق، فلاح مخلوق اور امن عالم کی خاطر مخصوص کر دینا ہے۔ کیونکہ ہمارا دین تو پورے عالم کی انسانیت کی بھلائی سے عبارت ہے۔ لہٰذا پورے عالم کی بھلائی کا عزم رکھنے والا ہر انسانی فرد کے لئے خیر خواہ، سبھی کا ناصح اور امین ہوتا ہے۔ یعنی وہ امانت دار بھی ہے، خیر خواہ بھی۔ جیسے کہ ہر نبی ناصح بھی ہوتا ہے اور امین بھی وہ امانت ربانی کو کامل طور پر اپنے مخاطبین کی خیر خواہی اور بھلائی کے جذبہ سے پیش کرتا ہے۔ لہٰذا دین کے پروگرام کو جامع طور پر عالمی خطاب، عالمی فکر رکھ کر عالم کے جملہ مخاطبین کے لئے نصیحت وخیر خواہی کے جذبہ اور امانت داری سے موصوف ہونا ضروری ہے۔

آغاز موضوع سخن:

دین کے لغوی معنی شرعی مفہوم اس کے حق و باطل ہونے کے فرق کا بیان دین اسلام کے ماخذ کا بیان۔

- ✓ خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے خاتم الادیان خیر الادیان کے خصائص، پھر دین کا تشریعی نظام، حاملین شریعت کے حقوق اور عام مسلمانوں پر ان کے واجبات۔
- ✓ دین کے اصول و فروعٌ، اصول دین میں توحد اور ان میں اختلافات کا حکم شرعی، اس کی حکمت فروّ دین میں تعددیت اور اس کی حکمت۔
- ✓ امت کی وحدت کے عناصر اور اختلافات کے اسباب و علل اور ان کے معالجہ۔
- ✓ دین میں شدت پسندی، غلو او افراط کا مذموم ہونا اور دین میں وسطیت اور اعتدلال مطلوب و محمود ہونا وغیرہ۔

اب ہم اسی منہج کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لغوی اور شرعی مفہوم:

یادرہے کہ لفظ " دین "جس کی جمع ادیان ہے، وہ دستور حیات ہے جس کے تابع ہو کر بندہ زندگی گزارے۔

" متعدین "وہ بندہ ہے جس کا دین ہی اس کا سید و آقا بن جائے اور بندہ اس کا ایسا غلام ہو کہ ہر موقع پر اس کا عمل اس کی خواہش، اس کے دین کے تابع ہو جائے۔

قرآن میں لفظ " دین " کا اطلاق حق و باطل ہر دو دینوں پر ہوا ہے۔ سورۃ الکافرون میں یہ خطاب واعلام یوں موجود ہے ''لکم دینکم ولی دین''[1]۔ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین۔ اس آیت میں طاغوت کے پرستاروں کے نظام زندگی کو بھی دین کہا گیا ہے۔ اور معبود حق کے عبد الجلیل سید الرسل خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے نظام زندگی کو بھی دین کہا گیا ہے۔

صرف ایک کی نسبت باطل کی طرف دوسرے کی حق کی طرف ہے۔ اگر بندے کا دین خالقِ بشر کا وضع شدہ ہو گا تو وہ دینِ حق ہو گا جسے قرآن نے اسلام کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ[2]. "بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پھر وہ حق اور اسلام اس لے ہے کہ وہ ذات حق تعالیٰ نے وضع فرمایا جنہیں مخلوق اور بندوں میں تصرف اور نظام لاگو کرنے کا مکمل حق ہے۔ ارشاد ربانی ہے " الحق و الامر "۔ بندوں میں حکمرانی اور سیادت کا حق خالق ہی کو ہے۔

---

[1] الکافرون ۱۰۹:۶

[2] سورۃ آل عمران ۳:۱۹

اور اگر دین کی وضع غیر اللہ کے ہاتھوں ہوی ہو تو ایسا نظام ہے، باطل نظام ہے، یا دین باطل ہے جو نہ صرف اختیار نہ کرنے کے لائق ہے بلکہ اس سے برائت و انکار پہلے کرنا ضروری ہے۔ پھر دین اللہ کو اختیار کرنا درست ٹھہرے گا۔ ارشاد ربانی ہے "فمن یکفر بالطاغوت و یو من باﷲ"[1]۔ جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ کا اعتراف کرے گا، وہی تو مضبوط رسی سے چمٹ گیا جو ٹوٹ نہیں سکتی اور وہی سمیع و بصیر ذات عالی سے وابستہ ہو گیا۔ جو اس کی بات سننے والا اور ہر فعل سے واقف ہے۔

دین کا یہی تصور ان شاء اللہ بندوں کے دلوں میں اسلام کا حقیقی تعارف بمع اس کی قلوب میں عظمت کے رسوخ کا ذریعہ بنے گا پھر بندے رغبت اور شوق سے اس سے وابستگی کا نہ صرف اظہار کریں گے، بلکہ اس کے ساتھ رابطے کو مضبوط کریں گے۔ جس پر انہیں فخر اور خوب صدر بھی ہو گا۔

دین حق اور اسلام کی عظمت بھی انہیں معلوم ہو گی اور قلوب میں یہ بھی راسخ کہ اسلام یا دین حق اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نظام زندگی ہے، جس کے بارے قرآن میں یہ اعلان ثبت فرمایا گیا کہ: "وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا "[2]۔ میں نے تمہارے لئے اسلام ہی کو بطور نظام زندگی کے پسند کیا ہے۔ اسلام کا پیروخالق کے وضع کردہ اور خالق کے پسندیدہ نظام حیات اور کا حامل اور پیروکار ہے، اسے وہ کمال عظمت و محبت سے چمٹا رہے گا۔ اس کے نفس نے اگر کبھی شیطان کے ورغلانے سے ادھر ادھر کے نظاموں کی بو سونگھ لی اور اسے نفس و شیطان نے اپنی ہوس و نفس کی خوشنودگی کے لئے دیگر کسی نظام کو اس کی زندگی میں داخل کرنا چاہا تو وہ خوب یاد رکے گا کہ " دین حق ملنے کے بعد اس کے ماسواء گمراہی ہی گمراہی ہے "نور اسلام کے بعد ماسوا ظلمت و تاریکی ہی ہے، اسی لئے تو ارشاد ربانی ہے : فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ" [3] کہ حق کے بعد دیگر تو گمراہی ہی ہے' پھر وہ سوچے گا:" فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ"[4]۔ کہاں بھاگ رہے ہو؟

نیز اگر پھر بھی کوئی دیگر متلاشی رہا تو اس کی یوں تربیت کی جائے کہ وہ اس ربانی فیصلہ کو بھی نہ بھولے:" وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ "[5]۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی نظام زندگی کا متلاشی ہو گا تو وہ اسے قبول نہ ہو گا (اور جو کوئی رحمن کے پسندیدہ نظام کو ترک کرے) وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔

مومن بندہ اور متدین انسان یہ سوچے گا کہ اگر کسی دینوی مصلحت یا مادی منفعت یا ظاہری منصب کی خاطر اس نے اپنے طرزِ حیات میں اسلامی طرزِ زندگی کی جگہ غیر اِسلامی نظامِ حیات کو اختیار کیا تو وہ اس تجارت میں کبھی سود مند نہ ہو گا، کیونکہ دنیا کی مادی منفعت نہایت قلیل اور فانی ہے، اور آخرت کا خسارہ عظیم اور دائمی ہے۔

---

[1] البقرہ۲۵۶:۲

[2] المائدہ۳:۵

[3] یونس۳۲:۱۰

[4] یونس۳۲:۱۰

[5] آل عمران۸۵:۳

دین کی بات کرنے والوں کو یہی قرآنی اور ربانی اسلوب بیان اختیار کرنا ہوگا تاکہ اس کے پیش کرنے میں حسن تقدیم بھی رہے، حسن تسلسل بھی اور جمال بیان کے ساتھ ساتھ قوتِ تاثیر بھی جو مخاطب کے شعور کو بیدار، اس کے ضمیر کو زندہ اور قلب کو روشن کرنے والا قرآنی اسلوب ہی ہے۔

اس یقین محکم کے ساتھ یہ دین وضع میں ارفع واعلیٰ، خالق کے ہاں محبوب، اللہ کی طرف سے محفوظ ومامون، اختیار کرنے والے کے لئے سودمند، ترک کرنے والے کے لئے باعِ خسارہ ہے، پھر کوی معقول وجہ نہیں کہ یوں فہم دین کو اجاگر کرنے کے بعد کسی ذی عقل وشعور میں دین کے بارے بے رغبتی رہے گی۔

دین اسلام کے لئے خالق کی سنتِ حکمیہ کا بیان بھی دِینِ اسلام میں رغبت اور شوق پیدا کرنے کا قوم عنصر ہونا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہی اپنے انبیاء کو اَدیانِ حقہ کے ساتھ معبوث فرمایا تاکہ اس کے بندے دنیامیں سعادت اور آخرت میں سودمند رہیں۔

پھر انسانی تاریخ کا بیان ہو کہ انسانی تاریخ پر دور میں دین حق اختیار کرنا ہی صحت بخش نسخہ اور سودمند سودا رہا ہے۔ یہ بات دل میں راسخ ہوگئ تو دی والی زندگی کے سوانہ بندے کو سکون ملے گانہ چین نصیب ہوگا، پھر تو اس کے علاوہ بندے کا قلب مطمئن ہی نہ ہوگا ماسوا دین حق کی اتباع کے۔

اس امر کے جان لینے کے بعد اللہ کی سنت سابقہ شرائع کے ساتھ کیا رہی اور خاتم الشرائع کے ساتھ کیا ہے؟۔ اس امر کو بیان کرنا اور جاننا بھی ضروری ہے۔ چونکہ حضرات انبیائے سابقین کی نبوت تین تحدود اوقات، محدود اقوام اور محدود علاقوں کے لئے ہوتی۔ "لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ"[1] وغیرہ اس کی قرآنی مثالیں ہیں۔ سب حضرات انبیاء کا اسی طرح حال رہا۔ پھر اللہ کی بھیجی ہوئی شرائع کو جب تک وہ چاہتے محفوظ رہتیں پھر لوگ ان میں تحریف و تبدل کرتے رہتے۔ پھر ہر نبی کی مدت زمنی کے بعد دیگر نبی آجاتا، سابقہ شریعت کی جگہ اس کے بعد آنے والی شریعت لے لیتی، اس طرح بی اور قوم بدلتے رہے، امت نبی کی شخصیت کی تبدلی سے بدل جاتی۔ مگر جب خاتم النبین ﷺ کی بعثت ہوئی تو ان کا اعلان بجائے ایک قوم کے سب انسانوں کے لیے یوں ہوا: "قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا"[2]۔ کہ پوری انسانیت کے لیے اکیلے محمد ﷺ ہی ہیں۔ اور پوری انسانیت کے لئے ان کی لائی ہوئی شریعت کامل ومکمل ہے جو قیامت تک کے لیے نعمت ربانی کے طور پر بندوں کے لئے محفوظ ومانون رہے گی۔ اس لے نبی خاتم ہیں، اور ان کے متعبین خیر الامم اور خاتم الامم۔ اب نہ نبوت بدلے گی نہ شریعت نہ امت کی نسبت نبوت کی بنیاد پر بدلے گی کیونکہ کسی کو نبوت اب ملنی ہی نہیں۔ اب نبوت آخری، نبی خاتم النبین، شریعت خاتم الادیان اور امت خاتم الامم ہے۔ اب سنت ربانی کہ نبوت شریعت اور امت بدلتے رہیں، جناب خاتم النبین ﷺ پر ختم ہوگئی۔ اگر اللہ کے اس اعلان کے بعد کسی نے نبوت کا اعلان کیا تو اسے کذاب سمجھا جائے گا، اگر کسی نے اس کی تصدیق کی تو اس نئی نبوت کی تصدیق کی وجہ سے اس کی محمدی نسبت کٹ جائے گی۔ اب نئی نبوت نے اپنی جماعت تشکیل دی تو یہ اسی کی امت ہے کیونکہ اللہ کی یہی سنت سابقہ شرائع کے ساتھ بھی رہی کہ نبوت بدلتی رہی شریعت بدلتی اور امت تشکیل بھی ہوتی رہی۔ مگر اب ایسا نہیں کیونکہ اللہ کے

---

[1] اعراف ۷:۵۹

[2] اعراف ۷:۱۵۸

ہاں سلسلہ نبوت ہی بند ہو گیا ہے مگر جس نے اس سلسلے کو جاری کیا اور جس نے اسے اختیار کیا وہ سبیل المومنین سے ہٹ گیا۔ اور اس سے پھرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ وہ خیر الامم سے بھی کٹ گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اب سنت یوں ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے:۔

1. نبوت کو عالمگیر قرار دیا۔
2. نبی کو خاتم النبین اور رحمتہ للعالمین بنایا۔
3. کتاب کو ہدیً للناس بنایا۔
4. کعبہ مبارکہ کو ہدیً للعالمین بنایا۔
5. شریعت کو محفوظ و مامون فرمادیا۔

اسباب حفظ :

اللہ تعالی جس کام کو کرنا چاہیں تو وہ صاحب کن فیکون ہیں۔ کسی طرح کے اسباب کے محتاج نہیں۔ مگر اس کی نسبت ہے کہ اس عالم کو عالم اسباب بنایا۔ ہر اس امر کے لیے اسباب پیدا کیے۔ تو نبی خاتم رحمت للعالمین ﷺ کی عالمگیری شریعت کے تحفظ کے لئے مہبط وحی سے لے کر ہر دور میں حاملین و ناقلین کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری فرمادیا جو خیر امت کے افضل ترین انسانوں اصحاب رسول سے شروع ہوا، پھر ان کے تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء، محدثین و مفسرین اور ہر دور میں وارثانِ انبیاء جو امت کا افضل ترین طبقہ ہے کو اس پر مامور فرمایا۔ پھر ان کے اس مقام عالی اور احسان عظیم کے اعتراف کے طور پر ان کی تعظیم و توقیر کو عام افراد امت پر شرعی واجب فرمادیا۔ نبی کریم ﷺ نے جس طرح اپنے صحابہ کرام کو خیر القرون کے خیر الرجال قرار دیا۔ ان کے مقام و منقبت کا تحفظ فرمایا۔ اس طرح ہر دور میں حالمین قرآن کو بھی امت کا اخیار قرار دیا۔ جامعین سنت کے لئے اپنی احادیث میں اور اہل استنباط و اجتہاد کے لئے قرآن میں ان کے فضل و شرف کو اہتمام سے بیان فرمایا۔ اس طرح ہر دور میں حاملین قرآن کو بھی امت کا اخیار قرآن دیا۔ جامعین سنت کے لئے اپنی احادیث میں اور اہل استنباط و اجتہاد کے لئے قرآن میں ان کے فضل و شرف کو اہتمام سے بیان فرمایا۔ اس طرح آخری زمانوں میں دین اسلام کا خارجی اور اندرونی فتنوں سے تحفظ کرنے والوں اور اپنے علم و عمل اور قول و کتابت سے دین کا تحفظ اور دفاع کرنے والوں کو اجر ثواب میں خیرِ امت کے پہلے طبقے حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ شریک فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ لہٰذا دین کے نام پر بات کرے والے کو یہ باور کرنا ضروری ہے کہ یہ دین خاتم الادیان ہے۔ یہ خیرِ امت کا دین ہے جو خاتم الامم اور خیر الامم ہے۔ یہ اس امت کا دین ہے جس کا شعار وسطیت اور اعتدلال ہے۔ اس دین میں غلو نہ شدت نہ کھلی چھٹی ہے، نہ اللہ و رسول کی غلامی سے آزادی۔ اس دین کے اصول و مسلمات ہیں جن میں اختلاف نہیں، ان میں اتحاد امت کی وحدت کی ضمانت ہے۔ اس شریعت کے مجتہد فیہ امور اور فروع میں تعددیت ہے جو اس کی وسعت کی علامت ہے۔ اصول میں تفریق کی گنجائش نہیں، فروع میں وسعت اور تعددیت سے انکار نہیں۔ یہی وسطیت ہے پھر اصول کا تارک فروع کے تارک جیسا نہیں۔ اصول میں مختلف ہونے والا فروع میں مختلف ہونے والے کے مانند نہیں ہے۔

اس دین کے ماخذ ثلاثہ قرآن و سنت اور اجتہاد ہیں۔ ہر ایک کے ضروری آداب ہیں۔ جنکی پابندی ہی دین میں فتنوں سے تحفظ کی ضامن ہے۔ اہل علم پر واجب ہے کہ شریعت اسلامیہ کے ماخذ ثلاثہ اور ان کے آداب کو بیان کریں کہ نبی کریم ﷺ جو صاحب شریعت مہبط وحی ربانی اور شارع ہیں، وہی اس باب میں امت کے مربی و مرشد بھی ہیں۔ انہوں نے ہی صحابہ کرامؓ کی عملاً تربیت کی، پھر انہیں اس تربیت میں ہماری تربیت کی خاطر جانچا کہ وہی ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کا حضرت معاذ سے مکالمہ، نبوی تربیت کا بہترین انداز پیش فرمارہا ہے۔ جو نہ صرف اس وقت کے مومنین کے لئے بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے رہنما اصول پیش کررہا ہے۔

نبی کریم ﷺ حضرت معاذ کو بطور حاکم و عاصل اور قاضی یمن روانہ کرتے ہوئے فرمارہے ہیں اور استفسار فرماتے ہیں کہ اے معاذ! تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ تو آپ اپنے لئے ماخذ حکم کو یوں ترتیب وار بیان فرماتے ہیں:

اولاً میں کتاب اللہ سے حکم کو اخذ کروں گا۔ تو آنحضرت ﷺ استفسار فرماتے ہیں کہ اگر کسی حکم کو تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ:۔ پھر سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کرونگا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر استفسار فرمایا کہ اگر اس حکم کو سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:۔ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔

اخذ احکام کی اس ترتیب پر جناب نبی ﷺ نے انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو ایسے اسلوب (حق و حکیم) کی تعفیق مرحمت فرمائی جس پر اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس قصہ میں خاتم الامم کے لئے تا قیامت ماخذ شریعت کا ترتیب وار اخذ احکام کا بیان ہے۔ یہی اسلام کا اپنی تشریع و منہج ہے جسے منہج ربانی کہیں، منہج نبوی کہیں، منہج وسطیت کہیں، منہج خیر الامم کہیں، ہر طرح سے اس کی تعبیر درست ہے۔

یہی سنت رسول ہے یہی سنت صحابہ ہے، یہی سبیل المومنین ہے، یہی وہ صراط مستقیم ہے جو افراط و تفریط کے مابین راہ اعتدال ہے، یہی اسلوب تشریع ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اطمنان و تسلی کا اظہار فرمایا۔ اس قصہ میں مزید تامل کریں کہ اس میں ہماری ماخذ شریعت کی مکمل تعداد اور ان میں شرعی حسن ترتیب اور تا قیامت ایسے اعلٰی منہج کا واضع بیان ہے جو کامل نظام تشریع پر مشتمل ہے جس کے بعد کبھی نقص محسوس نہ ہو۔ ہر موقع و محل کا حکم یہ امت باآسانی معلوم کرسکے پھر ان ماخذ سے اخذ شدہ احکام کی حثیت کا بھی تعین ہے کہ نصی احکام میں احادیث ہوگی، تعدیت نہیں، نہ رائے اور اجتہاد کو ان میں دخل ہوگا۔ غیر منصوص احکام میں وسعت ہوگی کہ مجتہد فیہ مسائل میں اگر تعدیت ہو تو یہ دین میں تناقض نہیں، نہ نقص ہے، وہ گنجائش اور وسعت شمار ہوگا۔ اور اس اشکال کا بھی رفع ہوگیا کہ بعض احکام میں تعددیت کیونکر ہے جب کہ شارع ایک ہی ہیں؟ حق تعالیٰ شانہ کی مشیت یہی ہے کہ احکام کے ہر دو باب نصی و احادی المرادا احکام اور اسول و مسلمان ثابتہ میں بندے احادیت کے پابند رہیں، اور مجتہد فیہ مسائل میں تعدیت کو وسعت و رحمت شارع سے تعبیر کرتے ہوئے اس منہج کو قبول کریں۔ بندے اگر شریعت کے ہر دو باب میں ان کے اصول و ضوابط اور آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں تو نہ انہیں احکام شریعت میں نقص نظر آئے گا نہ تناقص نظر آئے گا۔ پھر ترتیب و آداب کا علم و بیان انتہائی ضروری امر ہے کہ اسی سے ماخذ شریعت اور احکام شریعت کی قدر و منزلت کا بیان ہوگا۔ اور امت کے وام و خواص میں روح طمانینت پیدا ہوگی۔ وہ اپنی شریعت کی جامعیت اور شارع کی حکیمانہ وسعت کے قائل ہوں گے۔ وہ ہر قسم کے غلو اور افراط و تقریط کے مذموم راستوں سے اجتناب کریں گے اور راہ اعتدال و وسطیت کے محمود

راستے کے پابند رہیں گے۔ اگر وہ ماخذ کی حثیت و منزلت سے آگاہ رہیں۔ ان سے احکام اخذ کرنے کے اسلوب سے واقف ہوں، پھر ان سے ثابت احکام میں اعتدال کے دامن سے وابستہ رہیں تو یقیناً دین میں دین کے نام سے فتنے جنم نہ لے سکیں گے،۔ ماخذ شریعت سے وہ سراسر ہدایت ہی ہدایت حاصل کریں گے۔ اور گمراہی کے راستوں سے کلیتا بچ سکیں گے، نیز امت کی صفوں میں وحدت و قربت پیدا ہو گی۔ اور ان میں افتراق و انتشار پیدا ہونے کے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔ یہی وہ بیش قیمت گوہر ہے جسے سمجھنے اور سمجھانے کی خاطر ہم نے "دین" کے عنوان سے اس مبحث اور موضوع کی تعین کی۔ اور اس کی تفصیل و بیان کا قصد کیا ہے۔ خصوصاً امت کے ذمہ داران حضرات، وہ علما و مدرسین ہوں یا اہل دعوت و اہل امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوں، وہ امت کے دینی زعما ہوں یا سیاسی اگر اسلامی شریعت کے ماخذ، ان کی شرعی حثیت ان سے ثابت احکام کے آداب سیکھ لیں، پھر اپنے اپنے مقربین اور عوام کو سکھا دیں تو امت کی فکر و سوچ درست ہو گی، اور افراد امت فکری بگاڑ سے محفوظ بھی رہیں گے۔ ان میں اسلامی آداب معاشرت جس کا آج فقداد ہے اس کا ظہور ہو گا۔ آج لوگ جس طرح دین اور نام نہاد دینداری سے چا کی ہیں۔ یہ شکایت بھی نہ رہے گی نہ عوام اپنے علمائے دین کو امت میں انتشار و افتراق کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے، اس شکوہ اور اشکال کا بھی ازالہ ہو گا جو نہایت ہی ضروری امر ہے۔ ہماری رائے میں اس کا حل اس نبوی منہج کے سمجھنے سمجھانے کے بغیر ہر گز ہر گز ممکن نہیں۔ نیز خواص و عوام کے لئے ان ماخذ شریعت کے مقام و منزلت اور ان سے متعلقہ ضروری آداب کو سمجھنے کی بھی اہم ترین ضرورت ہے اس کا بیان بھی وقت کا بلکہ ہر وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ اب اس کا بیان ہوتا ہے۔

پہلا ماخذِ دین: قرآن

ہماری شریعت کا اولین ماخذ قرآن حکیم ہے جو اللہ تعالی کا معجز کلم ہے۔ قرآن کا اولین بنیادی ماخذ اور شریعت کا اساسی مصدر ہے جو متواتر طور پر اپنے نزول سے لے کر منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ وہ انسانی صدور مین بھی محفوظ ہے۔ اور مصاحف میں بھی مکتوب و منقوش ہے۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے ہر قسم کی تبدیل و تحریف سے محفوظ و مامون ہے۔

قرآن میں جملہ احکام شریعت مجمل طور پر مذکور ہیں۔ پھر قرآن بذات خود ایک جگہ موجود اپنی نص کی دوسری تفسیر کرتا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ پر بھی حق تعالیٰ شانہ نے اس کا مفصل بیان نازل فرمایا ہے جس کی خود اپنے عمل سے بھی نبی کریم ﷺ نے تفسیر فرمائی اور اپنی مبارک سنت اور احادیث میں بھی اس کی تشریح فرمائی۔ قرآن حکیم کی نصوص کے ان شرعی مفاہیم و مدلولات کو جو شارع کی اصل مراد ہیں جن سے خالق نے اپنے بندوں کی ہدایت کو وابستہ رکھا ہے۔ وہ بھی نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرامؓ کو ان سے تابعینؒ، اس سے اتباع تابعینؒ پھر محدثینؒ و مفسرینؒ اور علماء اسلام کے ذریعہ امت مسلمہ میں مسلسل طور پر نقل فرما دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآنی نصوص کو تو مانتے ہیں مگر ان کے شرعی مدلولات کے منکر ہیں۔ انہیں حق تعالیٰ نے قرآن حکیم ہی میں "الحاد فی آیات اللہ" کا مجرم ٹھہرا دیا ہے۔ اور ان کے حق میں وہی وعید نازل فرمائی جو منکرین اسلام کے لئے ہے کیونکہ شرعی نص کو اگر کسی غیر شرعی غیر ثابت شدہ، غیر مسلم معنی پر محمول کیا جائے گا تو یہ دراصل اس شرعی نص کا ہی انکار ہے۔ امت کے ہر طبقے کا ہر دور میں اس پر اجماع رہا ہے کہ کفر انکار و عنا اور کفر الحاد ہر دو ایک ہی کفر کی قسمیں ہیں۔ اسی لئے ہر دو کا انجام اور سزا بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مقرر فرمائی ہے۔

قرآن حکیم کے بارے عوام میں اگر اس ضابطے کو بیان کیا جائے اور ان کی فکری تربیت اسی بنیاد پر ہو تو فتنہ انکار سنت جنم نہیں لے سکتا، نہ امت میں کوئی طبقہ ایسا ہو گا جو اپنے آپ کو قرآن کو ماننے والا اور سنت کا منکر کہہ سکتا ہے۔ قرآن کریم کے بارے اس فکری انحراف سے عوام کو بچانے کے لئے علماء اسلام اور اصول تفسیر کے ماہرین یہ شرط لگاتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کرنے والے کو درج ذیل پندرہ علوم میں ماہر ہونا ضروری ہے اور وہ علوم یہ ہیں

1. لغت	2. بیان	3. اسباب نزول
4. نحو	5. بدیع	6. ناسخ و منسوخ
7. تصریف	8. علم قرآت	9. فقہ
10. اشتیاق	11. اصول دین	12. وہ احادیث جو تفسیر آیات میں وارد ہوئیں
13. معانی	14. اصول فقہ	15. علم موہبہ

امام سیوطیؒ وہ عالم جلیل ہیں جن کا نام قادیانیت نے امت کے مجددین میں شمار کیا ہے [1] مگر اس اعتراف کا کیا فائدہ کہ شرعی احکام اور قرآنی تفسیر میں اس فن کے اصول اور اس کے ماہرین پر اعتماد نہ کیا جائے جیسے کہ یہ کئی باطل فرقوں خصوصاً قادیانیت کی روش ہے کہ وہ زبان سے قرآن و سنت کی مرجعیت کے اعتراف کے بعد اپنا عقیدہ و عمل ان کے خلاف رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی وہی تفسیر معتبر ہو گی جو امت کے ثقہ مفسرین کے ہاں ثابت ہوں۔ ایسی تاویل جو شاذ و نادر ہو یا ائمہ مفسرین کی راہ سے ہٹ کر ہو وہ صاحب تاویل پر ہی رد کر دی جائے گی۔ کتنے ہی لوگ قرآن حکیم سے صرف اس لئے ہدیت نہ پا سکے کہ انہوں نے ضوابط تفسیر قرآن کی پاسداری نہ کی۔ آج لوگ محض لغت کے سہارے تفسیر قرآن میں اپنی فاسد آراء کو داخل کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

امام سیوطیؒ نے اس موقع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بہت ہی نفیس کلام نقل کیا ہے جو قرآن سے ہدایت پانے اور گمراہی سے بچنے کے لئے مسلم عوام و خواص کے لئے بے حد مفید ہو گا۔ اور اس سے دین کے مخاطب حضرات کی نا صرف فکری تربیت ہو گی بلکہ وہ بے شمار ان فتنوں سے محفوظ رہیں گے جنہیں لادینی کے پیشوا دین ہی کے نام سے کھڑا کر کے امت کے عوام و خواص کو پریشان کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام کا خلاصہ یوں ہے:

اولاً: قرآن حکیم کی تفسیر قرآن ہی سے لیجائے کیونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی خود تفسیر کرتا ہے۔

---

[1] خدا بخش قادیانی، عصل مصفیٰ، طبع امرتسر ۱۹۱۳، جلد نمبر 1، صفحہ 164

ثانیاً: قرآن حکیم کی تفسیر سنت سے کی جائے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ اپنے پیغمبر سے مخاطب ہو کر ان کے وظیفہ نبوت کو یوں بیان کرتے ہیں (یقیناً ہم نے آپ پر کتاب، حق کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے مابین اللہ کے احکام بیان کریں)۔ نیز خود جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا (خبر دار رہو کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے کتاب دی اور اس کے ساتھ اس جیسا اس کا بیان بھی)۔

ثالثاً: اگر کسی کو نص قرآن کی تفسیر قرآن و سنت میں نہ مل سکی تو پھر وہ اسے صحابہ کرام کے اقوال میں تلاش کرے۔

پھر وہ فرماتے ہیں: کیونکہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین کی اگر کسی آیت میں تفسیر ہو پھر دیگر کسی قوم کی تفسیر ان سے ہٹ کر ہو کہ وہ صحابہ کرام اور تابعین کے طریقے پر نہ ہو تو یہی اہل بدعت کے ساتھ شمار ہونے کی دلیل ہے۔

وہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین کی تفسیر سے ہٹ کر قرآن کی کوئی بھی تفسیر بدعت و خطا شمار ہوگی کہ وہی لوگ تو قرآنی نصوص اور ان کے مدلولات و معانی اور اللہ اور اس کے رسول کی مراد سے تمام اُمت سے زیادہ واقف تھے۔

حضرت امام شافعیؒ جن کا نام نامی بھی قادیانیت کے نزدیک مجدد دین کی فہرست میں شامل ہے [1]۔ ان کا قول نصوص کتاب و سنت کے مدلولات شرعیہ کے بارے میں آئندہ اُمت کے لئے ایسا رہنما اُصول ہے کہ اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو قیامت تک دین کے نام سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو۔ وہ فرماتے ہیں: ”میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے قول کو اللہ کی مراد ہی پر اور رسول اللہ کی طرف سے ثابت نص کو ان کی مراد پر مانتا ہوں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جسے دین کے نام پر بات کرنے والے ہر شخص کو اُمت کے عوام کے قلوب و اذہان میں راسخ کرنے کی سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم کے بارے ان جملہ امور کا سمجھانا دین کے نام پر گفتگو کرنے والے کے لئے نہایت ضروری اور اس کا شرعی واجب ہے۔“

دوسرا مأخذِ دین: سنت

دین کا دوسرا مأخذ سنت ہے۔ قرآن کی طرح اس کی زبان بھی عربی ہے۔ اس میں بھی ناسخ و منسوخ، محکم، متشابہ، مجمل مفسر اور اساسی نصوص کی دیگر اقسام موجود ہیں۔ مگر قرآن تو کلی طور پر متواتر ہے جبکہ سنت میں متواتر بھی ہے، مشہور بھی اور احاد بھی ہیں۔ اس طرح سنت کے راوی بھی حفظ وضبط اور عدالت میں مساوی نہیں۔ اس میں قطعی بھی ہے اور ظنی بھی۔ لہذا سنت سے اخذ کرنے کے لئے قرآن سے اخذ کرنے کے جملہ علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ سنت کے ثبوت کے پہلو کو مد نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جس کے لئے علوم حدیث میں المام و اختصاص ہونا ضروری ہے۔ ایک ہی موضوع پر ایک سے زائد وارد احادیث میں متقدم و متأخر کا علم، ان کے مابین وجوہ ترجیح پھر ترک عمل بالحدیث کی وجوہ کا ادراک بھی ضروری ہے۔

شیخ السلام ابن تیمیہؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

کبھی حدیث کے ترک عمل کے اسباب سے ہم واقف نہیں ہوتے، علم کے مدارک تو بہت وسیع ہیں، علماء کرام کے تمام اقوال کے باطن پر ہم مطلع بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عالم کبھی اپنی حجت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر اس نے ظاہر کر دیا تو ہمیں علم ہو گیا، اگر نہیں کیا تو ہمیں علم نہ ہو سکا، جب اس نے ظاہر کر دیا تو ہمیں اس کی وجہ دلیل کا علم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی علم نہیں ہوتا۔ الحاصل حدیث شریف سے اخذ کی شرائط قرآن کریم سے اخذ کرنے سے بڑھ کر

---

[1] خدا بخش قادیانی، عسل مصفیٰ، طبع امرتسر ۱۹۱۳، جلد نمبر 1، صفحہ 163

ہیں۔ یہاں پر اصول حدیث میں مہارت ہونا، اقسام حدیث اور حدیث کے متن وسند کے اعتبار سے واقفیت کا ہونا نہایت ضروری ہے جبکہ قرآن کے متواتر ہونے کی وجہ سے اس میں ایسا نہیں ہوتا۔

تیسر اماٗخذِ دِین: اِجتہاد:

اِجتہاد سے اَحکام شریعت تلاش کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کی پاسداری ضروری ہے۔

اولاً:۔ اجتہاد صرف اس کے اہل اور باصلاحیت لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ مذکورہ قصہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق صرف حضرت معاذ ہی مجتہد تھے اور بقیہ لوگ اس کے متبع تھے۔

ثانیاً:۔ اجتہاد صرف اپنے دائرہ ہی میں ہوگا اور اس کا دائرہ کار مندرجہ ذیل ہے۔

اَ. صرف وہاں اجتہاد ہوگا جہاں کتاب وسنت سے نص صریح نہ ہو، مجتہد منصوص احکام میں علل تلاش کرکے غیر منصوص کے احکام تلاش کرے گا (اور یہ کام صرف بلاصلاحیت لوگوں ہی کا ہے)۔

ب. اگر کسی موقع پر وارد نص ایک سے زائد معنی کا احتمال رکھتی ہے تو مجتہد اپنی تمام صلاحتیں صرف کرکے اسے ایک معنی کے لئے ترجیحی بنیاد پر حمل کرے گا۔

ت. اگر ایک سے زائد نص کسی مسئلہ سے متعلق موجود ہے تو مجتہد کسی ایک نص کو ترجیح دینے کی خاطر اپنی صلاحیتوں کو صرف کرکے ہی اسے ترجیح دے گا۔ اس میں اسے دیگر تمام نصوص پر نظر رکھنا ہوگی۔

شروط صحت اجتہاد:

اہل علم نے مندجہ ذیل چھ شرعی اصول کو صحت اجتہاد کے لئے شرط بتلایا ہے۔

مجتہد عربی زبان کے جملہ اسلیب بیان سے واقف ہو۔ وہ علم لغت، علم اعراب، الفاظ کے استعمال کے اسالیب خاص وعام حقیقت ومجاز، مطلق ومقید، صریح وکنایہ، ظاہر وخفی، محکم ومتشابہ مفسر ومجمل، امر ونہی۔ الغرض لغت عرب کے جملہ اسالیب بیان میں مہارت رکھتا ہو۔

1. کتاب اللہ کے متعلقہ احکام عموم وخصوص، ظاہر وخفی، مفصل ومجمل، ناسخ ومنسوخ پر مطلع ہو۔
2. اس طرح سنت سے متعلقہ احکام سے بھی واقف ہو، سنت کی روایت کے جملہ طرق، تواتر مشہور احاد سے واقف ہو، رواۃ کے احوال واحکام پر مطلع ہو، وجوہِ ترجیح کے بھی اسالیب جانتا ہو۔
3. اسے احکام سے متعلق اقوال صحابہ کرام اور اقال تابعین یاد ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اُمت کے اہل اتقاء کے فتاویٰ پر اس کی مکمل نظر ہو کہ کہیں اجماع سے انحراف نہ کرلے۔
4. قیاس پر عبور رکھتا ہو۔ جن احکام میں تعلیل کا عمل درست اور جن میں درست نہیں، اس سے واقفیر ہو، نیز ترجیح کے قواعد بھی یاد ہوں۔
5. اجتہاد کرنے والا خود ثقہ اور متدین ہو۔ دین پر کاربند ہو۔ احکام شریعت پر عمل میں متساہل نہ ہو۔

آداب مجتہد فیہ مسائل:

شارع کی حکمت رہی کہ اس نے بعض مسائل میں اہل اجتہاد کو سعی پر مامور فرمایا ہے، چونکہ مجتہدین حضرات منصوص احکام کی تعلیل میں اختلاف کر سکتے ہیں، لہٰذا اجتہاد کے نتیجہ میں ثابت ہونے والے احکام میں یقیناً تعددیت پیدا ہو گی، یہ تعددیت اُمت میں نزاع یا عداوت کا سبب نہیں ہوتی، ہاں دین میں وسعت کی علامت ضرور ہے۔ مجتہد فیہ مسائل میں مجتہد دیانت داری سے اپنی صلاحیت صرف کرتا ہے۔ جس رائے تک وہ پہنچتا ہے اس کے نزدیک وہ راجح ہے۔ وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کی رائے کو قطعیت حاصل نہ ہو گی۔ یہ صرف اسی کا اعتقاد نہیں بلکہ ہر اس شخص کو بھی جاننا ضروری ہے جس جس نے اس کی رائے کو اخذ کیا ہو یا اس کی رائے کو اپنایا ہو، اسی طرح وہ اپنی سے مخالف رائے کو قطعی طور پر غلط اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی اپنی رائے صحت میں راجح تو ضرور ہے مگر قطعی ہر گز نہیں بلکہ ظنی ہے۔ لہٰذا جب ایک رائے ظنی ہے تو دوسری بھی ظنی ہے۔ لہٰذا ادب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں جملہ حضرات جو مختلف آراء رکھتے ہیں وہ ایک دوسرے کا برابر احترام کریں۔ مجتہد فیہ مسائل میں خود صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا اور خود جناب نبی کریم ﷺ نے شارع کی طرف سے وسعت کی بنا پر ان کے عمل کی تغلیط نہیں فرمائی۔

یقیناً یہ بہت بڑا جہل ہو گا جو باعث نقمت ہے کہ لوگ مجتہد فیہ مسائل کی شرعی حیثیت سے ناواقفیت کی بنا پر تحقیق چھوڑ دیں۔ یا ایک دوسرے کی تغلیط تضلیل یا توہین کریں یا اس رائے کے اختلاف کو بجائے باعث وسعت کے باعث عداوت ٹھہرائیں۔ البتہ مجتہد فیہ مسائل کے باب کا ادب یہ ہے کہ تحقیق کا حق جملہ اہل اجتہاد کو رہے، ان کی تحقیقات جاری رہیں مگر تغلیط و توہین، نزاع اور عداوت ہر گز نہ ہو۔

تشکیک اور ازالہ:

بعض لوگ جو اس باب کے ادب سے واقف نہیں، ان کے ذہنوں میں اغیار کی سازش یا اپنے علمی قصور کی وجہ سے یہ اشکال اُٹھتا ہے کہ شارع ایک ہیں تو متعدد آراء کیوں ہیں؟

اس کا عام فہم اور سادہ سا جواب ـــ جسے ہر ایک کو یاد رکھنا ہے ـــ یہ ہے کہ: "اہل اطاعت کو شارع کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ جہاں شارع نے متعین معنیٰ کے لئے نص نازل فرمائی، وہاں تعددیت بے دینی ہے۔ اور جہاں شارع نے اجتہاد کو مشروع فرمایا وہاں تعددیت پر اِشکال نہ صرف بے دینی ہے بلکہ پکے جہل کی علامت ہے۔"

اجماع مجتہدین :

ایک دوسرا اَمر جسے یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہو گی تو جب کسی غیر منصوص مسئلہ میں جملہ مجتہدین اُمت خصوصاً صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تو اس حکم کی حیثیت بھی قطعیہ ہو جائے گی۔ اور وہ بھی دلیل قطعی سے ثابت شدہ مسئلے کے ہم پلہ ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس باب میں نہایت مختصر خوبصورت اور جامع یوں بیان فرماتے ہیں :

اجماعهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة[1] ''ان کا (صحابہ کرام) اِجماع حجتِ قاطعہ ہے اور ان کا اختلاف رحمتِ واسعہ ہے۔''

لہذا دین پر استقامت یہ ہے کہ نصوص شرعیہ اور حاملین شریعت کی حیثیت کے تعین کرنے میں اعتدال کے دامن کو تھاما جائے جسے ہم منہج دین سے وابستگی اور وسطیت سے تعبیر کرتے ہیں دین کے نام پر تاریخ اسلام یا حال اور مستقبل میں اٹھنے والے فتنوں کا بنیادی سبب صرف اور صرف ایک ہی اصولی امر میں منحصر ہے، اور وہ ہے ''منہج وسطیت سے انحراف'' چاہے وہ نصوص شریعت کی حیثیت میں انحراف ہو یا حاملین شریعت کے مقام کے بارے یا نصوص شریعت سے ثابت شدہ احکام کی حیثیت میں وسطیت اختیار کرنے سے انحراف ہو۔

دین نصوص ش رعیہ سے ثابت شدہ احکام میں اعتدال کا نام ہے۔ اصول کو اساس و بنیاد اور فروع کو صفات و علامات سمجھنا راہ اعتدال ہے۔ اسی طرح حاملین شریعت، پھر مجتہد فیہ مسائل میں اپنی رائے کو راجح تو خیال کیا جائے مگر دیگر کی رائے کو بھی احترام دینا واجب سمجھا جائے۔ یہی وہ مسلک وسطیت اور اعتدال ہے۔ جو ہمارے دین میں ہر دیندار سے یہ مطلوب ہے۔ پھر جناب شارعؑ کی ذات گرامی ہی معصوم ہیں۔ ان کی شریعت کے نقل کرنے والے کے لئے عصمت شرط نہیں کیونکہ خاتم النّبیین کی شریعت کو بحفاظت منتقل کرنا مقصود ہے جس کے لئے ان کا ثقہ ہونا اور عادل و حافظ ہونا ہی کافی ہے۔ ان کے بعد دیگر کسی شریعت کو وضع کرنا مقصود نہیں کہ وہ حضرات معصوم بھی ہوں۔ مگر شریعت کی اس خدمت کے صلہ میں ان کو تعظیم و تکریم ان کے معصوم نہ ہونے کی وجہ سے ہر گز مجروح نہ ہو گی۔ ہر حال میں ان کے وقار و تعظیم کو قائم رکھنا اور انہیں معصوم نہ ماننا۔ یہی راہ اعتدال اور وسطیت ہے۔

الحاصل دین، احکام شریعت اور ناقلین شریعت ہر دو کے بارے میں مسلک اعتدال و وسطیت کو اختیار کرنے کا نام ہے جس کو ہر مسلمان میں راسخ طور پر پیدا ہو جانے کے بعد امت کے اتحاد و حدت کو کوئی متاثر نہیں کر سکتا۔

اُمت کے بعض لوگ یا احکام شریعت میں وسطیت کو اختیار نہیں کرتے یا حاملین شریعت میں افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ اس امر کی تلقین اُمت کے خواص کو اُمت کے عوام کو کرنی ضروری ہے تا کہ عمومی افراد اُمت میں اعتدال اور وسطیت پیدا ہو۔

اُصول و ثوابت ہیں؟

وہ امور جن میں نہ اختلاف کی گنجائش ہے نہ تبدیلی کی، وہ ایمانیات و ارکان اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں توحید، اس کے انبیاء کی حقانیت، ان پر نازل شدہ کتب، اللہ کے ملائکہ، اللہ کی پیدا کردہ جنت و جہنم، ان کے قائم کردہ یوم الحساب اللہ کی قضاء و قدرت۔ پھر ان میں سے ہر ایک امر کا شرعی مفہوم اللہ اور رسول کی زبانی بیان شدہ اور بالکل واضح ہے۔ ارکان اسلام نماز روزہ حج زکوۃ کے شرعی مفاہیم شارع کے طرف سے معین ہیں۔ انہیں اللہ او رسول کی مرضی سے ماننا اپنی مرضی سے تاویل و تشریح نہ کرنا، یہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔ ان اصول و مسلمات میں اختلاف دین میں وسعت اور رحمت ربانی کا مظہر ہے۔

---

[1] ابن تیمیہ (التوفی ۷۲۸ ہجرہ)، مجموع الفتاویٰ، طبع مدینہ منورہ، ۱۹۹۵، جلد ۳۰، صفحہ ۸۰

تجدید دین کیا ہے؟

دین کے بارے تجدید کا مفہوم جاننا بھی ضروری ہے۔ مجد دیا س کا عمل تجدید دین نبی کریم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے ہر صدی پر مجد د کے تجدیدی کارنامہ کی خبر دی۔ جب دین سے مراد وہ شریعت ہے جو جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس پر عمل کرنے والی اولین انسانی جماعت صحابہ کرام تھے جنہیں خود اپنی نگرانی میں شارعؑ نے عمل کا طریقہ سکھایا تو امت کو دین و شریعت ک اس کیفیت پر ڈالنا جس پر جناب رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کرام تھے دین میں تجدیدی کارنامہ ہے جناب نبی کریم ﷺ نے بھی حق و نجات کے طریقے کے لئے یہی فرمایا کہ فرقہ نا جیہ وہ ہے کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں لہذا مجد د کا کام صرف ہر دور کے جملہ خواص و عوام کو اسی طور طریقے اور سنت رسول وصحابہ پر ڈالنے کی سعی تک محدود ہے۔ اُمت پر اگر کسی دینی امر میں اشتباہ ہو گیا، اس کے بعض افراد دین کے منہج وسطی سے غافل ہوئے یا اصول و فروغ میں فرق نہ کر سکیں یا نصوص شریعت کے شرعی مفہوم و مدلولات میں سوء فہم میں مبتلا ہو گئے تو تجدیدی کارنامہ انہیں منہج شریعت کا سمجھانا ہے، انہیں احکام کے مراتب کا سلجھانا ہے، انہیں شرعی نصوص کے شرعی مفاہیم و مدلولات سے آگاہ کرنا ہے، انہیں تلقین کرنا کہ وہ مضبوطی سے جناب رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے سے وابستہ رہیں۔ اس کے لئے اہل فتنہ کے شکوک وشبہات ان کی طرف سے اٹھائے گئے اشکالات کے جوابات دینا یہی تجدیدی کارنامہ ہے۔ جس کی بعض مثالیں آئندہ مقالات میں پیش کی جائیں گی، مگر اصولی طور پر یہی تجدیدی عمل ہے جو مجد دین کرتے رہے اور آئندہ بھے کرتے رہیں گے۔ مگر مجد د نبی نہیں ہوتا کہ نئی شرئعت پیش کرے، شرعی نصوص کے نئے مدلول و معانی بیان کرے، اور تجدید و تحقیق کے نام سے اُمت کو قدیمی اور وراثت میں مسلسل طور پر ملنے والے اور جناب رسول ﷺ سے متصّل ہونے والے دین کا حلیہ بگاڑ کر امت کو پیش کرے۔ اسے تجدید نہیں تحریف کہا گیا ہے، کسی بھی مجد د نے تحقیق کے نام سے اصول و مسلمات کو نہیں بگاڑا، نہ فروغ کو شدت سے اختیار کرتے ہوئے اُمت میں تفریق پیدا کی نہ کسی کی فروغ میں اختلاف کی بنا پر تکفیر و تضلیل کی۔

یہ ضرور کیا کہ امت کو بدعت کے مقابلہ میں سنت کی طرف متوجہ کیا۔ دینی امور میں تشکیک پیدا کرنے والوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور امت کو پہلوں سے جوڑا۔ لہذا تجدید دین اور مجد د کے وظیفہ کو جاننا بھی دین فہمی کا تقاضہ ہے۔

بہت سے لوگ تجدید ہی کے نام سے تحریف کر کے اُمت کو خواص و عوام کی آزمائش کا سبب بنتے رہے ہیں۔ جس کی مثالیں آئندہ ہم پیش کریں گے۔

(جاری ہے)

◆-----◆◆-----◆◆-----◆

ہستی باری تعالیٰ کے وجود کے دلائل

(عبید اللہ لطیف)[1]

محترم قارئین! اللہ تعالی کے وجود کے بارے میں آج میں آپ کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کرنا چاہتا ہوں' ہر ایک کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے لیکن دلائل کے ساتھ نہ کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر۔

محترم قارئین! میری تحقیقات کے مطابق ہر انسان خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' مذہب کا پیروکار ہو یا ملحد ایمان بالغیب کا لازمی طور پر قائل ہوتا ہے۔ مسلمان کے لیے تو ایمان بالغیب ویسے ہی بنیادی شرط ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ایمان والوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالْغَيْبِ[2]

یعنی "جو لوگ غیب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔"

مسلمانوں نے اللہ تعالی کی ذات کو دیکھا نہیں لیکن اس کے باوجود ہستی باری تعالی پر ایمان لاتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی ہے جو اولاد دینے والا ہے' وہی ہے جو رزق عطا کرنے والا ہے' وہی ہے جو مشکلات حل کرنے والا ہے' اس پروردگار عالم کے علاوہ نہ تو کسی کی عبادت کی جاسکتی اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے' فقط وہ یکتا و اکیلا ہے جس نے یہ زمین و آسمان' چاند سورج ستارے الغرض ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔

محترم قارئین! یہ تو ہو گیا مسلمانوں کا عقیدہ ایمان بالغیب' اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ نہ صرف مذہب سے بیزار ہیں بلکہ اللہ تعالی کے وجود کے سرے سے ہی منکر ہیں تو وہ ایمان بالغیب کے کیسے قائل ہیں تو قارئین! سوچیے ذرا وہ لوگ کسی نہ کسی کو تو اپنا باپ تسلیم کرتے ہی ہیں تو کیا انہوں نے اپنے ماں باپ کو اس وقت حقوق زوجیت ادا کرتے ہوئے دیکھا کہ جس وقت ان کے والد کا نطفہ کہ جس سے وہ معرض وجود میں آئے تھے ان کی والدہ کے رحم میں گرایا جا رہا تھا' اگر نہیں دیکھا اور یقیناً کسی بھی انسان نے نہیں دیکھا تو اس کے باوجود کسی ایک شخص کو اپنا باپ قرار دے رہے ہوتے ہیں تو جناب عالی یہی ان کا ایمان بالغیب ہے۔ اور جو لوگ ڈارون کے نظریے کے قائل ہیں کیا ان میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے بندر سے انسان بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر وہ بغیر دیکھے محض کسی کے بتانے کی وجہ سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان پہلے بندر تھا اور تغیرات زمانہ کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بندر انسان بنتے گئے۔ بغیر دیکھے محض کسی کے بتانے پر یقین کر سکتے ہیں کہ ان کا باپ کون ہے تو پھر اس بات پر یقین کرنا کیسے مشکل

---

[1] عبید اللہ لطیف ریسرچر قادیانیت

[2] البقرہ ۲:۳

ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جس نے اس ساری کائنات کو نہ صرف پیدا کیا ہے بلکہ کائنات میں موجود ساری مخلوقات کے لیے رزق کا بھی انتظام و انصرام فرمایا ہے اور وہ ہستی کوئی اور نہیں صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات ہے۔

محترم قارئین! یہ تو واضح ہو گیا کہ دنیا میں ہر شخص ایمان بالغیب کا قائل ہے اور اللہ تعالی کے وجود پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب میں شامل ہے۔ اس کے بعد سمجھنے کا دوسرا نقطہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی چیز خود کار نظام کے تحت نہیں چلتی۔ آج کے دور میں اگر کوئی کہے کہ فلاں مشینری خود کار سسٹم کے تحت چلتی ہے تو تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس مشینری اور اس کے خود کار سسٹم کو تخلیق کرنے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس نظام کائنات اور اس ساری کائنات کا کوئی نہ کوئی تخلیق کار ضرور ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہے؟ امت مسلمہ کے نزدیک اللہ تعالی، ہندوئوں کے نزدیک رام وغیرہ ہیں۔ میں بحیثیت مسلم طالب علم اللہ تعالی کے وجود کے دلائل پیش کرتا ہوں' وہی دلائل قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے اور اسلام کی صداقت کے دلائل بھی ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

محترم قارئین! ہم آج سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے دور میں نئے نئے انکشافات سے روشناس ہو رہے ہیں یہی انکشافات آج سے چودہ سو برس قبل جب اس ٹیکنالوجی کا وجود بھی نہیں تھا ایک اُمّی (ان پڑھ) شخص نے کیے' میری مراد جناب محمد رسول اللہe جنہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیات مجھ پر اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے وجود پر دلیل ٹھہرائے تو اس بات کی صداقت پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ اب میں اس ضمن میں صرف چار مثالیں پیش کرنا چاہوں گا اور اللہ تعالی سے دعا گو بھی ہوں گا کہ وہ سب کو حق بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سائنس کہتی ہے کہ یہ چاند سورج اور دیگر سیارے اپنے اپنے مداروں میں گردش کر رہے ہیں اور ان کی یہ گردش ایسے ہے جیسے کوئی چیز تیر رہی ہو۔ اسی ضمن میں اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ[1]

''وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں چاند اور سورج کی گردش کے لیے اللہ تعالی نے لفظ سبح استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں تیرنا' اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے ایک ان پڑھ شخص کو کس نے مکمل طور پر درست بات بتائی حتی کہ گردش کے لیے وہ لفظ بیان کیا جو اس کی اصل کیفیت سے آگاہ کرتا ہے جبکہ سائنس موجودہ دور میں چاند اور سورج کی گردش کی کیفیت بیان کر رہی ہے

---

[1] الانبیاء:۳۳

1. زمین کی ماہیت و شکل کے بارے میں بھی سائنس دانوں کی طرف سے مختلف نظریات پیش کیے جاتے رہے ہیں کبھی کہا جاتا رہا کہ زمین چپٹی ہے[1] تو کبھی زمین کو گول قرار دیا جاتا رہا[2] اب جا کر اصل حقیقت واضح ہوئی کہ زمین بیضوی شکل کی ہے۔ اب ہم قرآن کریم سے بھی اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ قرآن کریم زمین کی شکل کے بارے میں کیا رہنمائی کرتا ہے' چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَآءُ بَنَاهَا

''کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔''

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا

''اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔''

وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا

''اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔''

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا[3]

''اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔''

ان آیات کریمہ میں زمین کو ہموار کرنے کے لیے لفظ دَحٰهَا آیا ہے۔ دَحٰهَا کا مادہ دحوہ ہے جس کے معنی ہیں شتر مرغ کا انڈہ جس سے واضح ہوتا ہے کہ زمین کو اللہ رب العزت نے شتر مرغ کے انڈے کی شکل پر ہموار کیا ہے اور عام انڈے کو عربی میں بیضہ بھی کہتے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ زمین کے ہموار کرنے کی اصل ماہیت و شکل بیضوی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک اُمّی (ان پڑھ) شخص کو زمین کی اصل شکل کے بارے میں کس نے بتایا جس کے بارے میں آج آ کر سائنس انکشاف کر رہی ہے۔

3. پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ ایٹم یعنی ذرہ نا قابل تقسیم ہے لیکن بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ ایٹم قابل تقسیم ہے اور ایٹم کے اجزا نیوٹران، پروٹران اور الیکٹران ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی قرآن کریم میں یہ اشارہ دے دیا تھا کہ ذرہ قابل تقسیم ہے۔ آیئے آپ کو بتاتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کس مقام پر ایٹم یعنی ذرے کے قابل تقسیم ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورۃ یونس میں فرماتا ہے کہ

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ[4]

---

[1] Flat Earth Society

[2] Globe Earthers NASA

[3] النازعات ۷۹:۲۷-۳۰

[4] یونس ۱۰:۶۱

"اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے۔ جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔"

محترم قارئین! اس آیت میں ذرے سے چھوٹی چیز کا بھی ذکر ہے' اگر ذرہ قابل تقسیم نہ ہوتا تو ذرے سے چھوٹی چیز کا کبھی ذکر نہ ہوتا۔

انسان تخلیق کے کن کن مراحل سے گزرتا ہے اس کے بارے میں آج کے دور میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے جو معلومات حاصل کی جارہی ہیں اللہ رب العزت نے اپنا وجود منوانے کے لیے ان کا تفصیلی تذکرہ آج سے چودہ سو سال قبل قرآن کریم میں کر دیا اور اس کی تائید موجودہ دور کے سائنس دان بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ تعالی انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ

"یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔"

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ

"پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔"

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ[1]

"پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔"

محترم قارئین! یہ بات قابل غور ہے کہ ایک اُمّی (ان پڑھ) شخص کو شکم مادر میں انسان کی تخلیق کے ان مراحل کے جنہیں آج صرف جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے جانا جارہا ہے کا علم آج سے چودہ سو برس پہلے کیسے ہوا جیسا کہ محمد رسول اللہ e کا دعوی ہے کہ ان پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالی نے ان کے بارے میں آگاہ کیا اور ساتھ ہی اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں ہی آپ سب کا خالق ہوں تو اس ذات باری تعالی کے وجود کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالی کی ذات کے منکر اپنی تخلیق پر ہی غور کر لیتے تو اللہ تعالی کی ذات کا کبھی انکار نہ کرتے۔ اسی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالی ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ[2]

---

[1] المؤمنون ۲۳: ۱۲ تا ۱۴

[2] الزمر ۳۹: ۶

"اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے (آٹھ نر و مادہ) اتارے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے تین تین اندھیروں میں، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کے لئے بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہک رہے ہو۔"

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور (PhD, DSc, FIAC, FRSM, FAAA) 5 اکتوبر 1925ء کو کینیڈین شہر برڈفورڈ میں پیدا ہوئے۔ مختلف تعلیمی اداروں سے علم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے 1954ء میں ملک کی مشہور دانشگاہ، جامعہ ویسٹرن سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ 1993 تک کینیڈا کی معروف یونیورسٹی جامعہ ٹورنٹو میں علم تشریح یا حیاتیات (Anatomy) کے پروفیسر اور ڈین آف فیکلٹی تھے۔

محترم قارئین! جن تین اندھیروں میں انسان کی بناوٹ کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر کیا جارہا ہے انہی کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور (Keith L. Moore) کا کہنا ہے کہ قرآن پاک میں تاریکی کے جن تین پردوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

- شکم مادر کی اگلی دیوار
- رحم مادر کی دیوار
- غلافِ جنین اور اس کے گرد لپٹی ہوئی جھلی (amnio-chorionic membrane)[1]

محترم قارئین! پروفیسر مارشل جانسن (Marshal Johnson) جو کہ امریکہ کے سرکردہ سائنس دانوں میں سے ایک ہیں اور اناٹومی ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ اور تھامس جیفرسن یونیورسٹی فایلاڈلفیا امریکہ کے ڈینیل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان سے علم الجنین (embroyology) سے متعلق قرآنی آیات پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا گیا۔ ابتداء میں انہوں نے کہا کہ جنین کے مراحل سے تعلق رکھنے والی قرآنی آیات محض اتفاق نہیں ہو سکتیں۔ ممکن ہے کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی طاقت ور خوردبین ہو۔ یہ یاد دلانے پر کہ قرآن چودہ سو سال پہلے نازل ہوا اور خوردبینیں پیغمبر محمد ﷺ کے زمانے سے کئی صدیاں بعد ایجاد کی گئیں۔ پروفیسر جانسن نے اور یہ تسلیم کیا کہ ایجاد ہونے والی اولین خوردبین بھی دس گنا سے زیادہ بڑی شبیہ (image) دکھانے کے قابل نہیں تھی اور اسکی مدد سے واضح (خردبینی) منظر بھی دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے کہا: سردست مجھے اس تصوّر میں کوئی تنازعہ دکھائی نہیں دیتا کہ جب محمد ﷺ نے قرآن پاک کی آیات پڑھیں تو اُس وقت یقیناً کوئی آسمانی (الہامی) قوت بھی ساتھ میں کارفرما تھی۔ 2

ڈاکٹر کیتھ مور کا کہنا ہے کہ جنینی نشوونما کے مراحل کی وہ درجہ بندی جو آج ساری دنیا میں رائج ہے آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں' کیونکہ اس میں ہر مرحلے کو ایک عدد (نمبر) کے ذریعے شناخت کیا جاتا ہے۔ مثلاً مرحلہ نمبر 1، مرحلہ نمبر 2 وغیرہ۔ دوسری جانب قرآن پاک نے جنینی مراحل کی جو تقسیم بیان فرمائی ہیں، اسکی بنیاد جداگانہ اور آسانی سے شناخت کے قابل حالتوں یا ساختوں پر ہے۔ یہی وہ مراحل ہیں جن سے کوئی جنین مرحلہ وار انداز

---

[1] Human Development in Quraan. World Muslim League, Makkah al Mukarrama. Commission on Scientific Signs in Quran and the Sunnah. 2000.

[2] قرآن اور جدید سائنس: آزاد دائرۃ المعارف: جنینیات (Embryology)

میں گزرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حالتیں (ساختیں) بھی سائنسی توضیحات (وضاحتیں) فراہم کرتی ہیں۔ جو نہایت عمدہ اور قابل فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عملی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔ [1]

محترم قارئین! بندہ ناچیز نے بفضلہ تعالی اللہ تعالی کے وجود اور دین اسلام کی حقانیت کے دلائل مختصراً پیش کر دیے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق بات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

◆-----◆◆-----◆◆-----◆
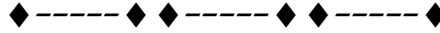
[1] Moore Keith. Journal of Islamic Medical Association. 1986;18:15–16

Analytical Study of Spiritual Attachment and Understanding level of Quran of Muslim Youth

مسلمان نوجوانوں کی قرآن فہمی اور اس کے ساتھ روحانی تعلق کا تجزیاتی مطالعہ

(A Case of Kohat University)

.Mr. Muhammad Riffat Khan[1]

Abstract

The main purpose of this study is to investigate the mutual relationship between the sacred Book, Al-Quran and the Muslims in general and particularly the youthin order to seek out the extent of connectivity and affiliation through recitation, understanding and practicing on rulings given to the humanity. The study conducted comprises of respondents irrespective of geographic differences and gender biasness but consideration of the age limit along with selection of specific degree awarding institution which is Kohat University of Science & Technology based on strong grounds for choosing as a sample institute like its location connecting the gateways of three southern districts. The study focal respondents are BS students of different departments of the said University.

It is pertinent to mention that questionnaire is used as a data collection tool for conducting this research work. Data has been collected from 149 respondents of different departments in which 76 students are males and 73 students are females. Statistical tools quantification is used for the analyzing of the data. Data is clearly put into the tables, properly arranged and full filled all the prerequisite steps to get the results.

The study highlight the understanding level of Quran of Muslim youth creating the sense to be get inclination to our sacred book, not only to recite, understand but ought to practice accordingly. The overall impression reveals the fact that said work done is the fair addition to the knowledge with expectation to enhance the sensitivity towards religion and making linkage with Holy Book. It will also help the readers in future.

Key Words: Al-Quran, Spirituality, Sacred knowledge

MPhil Scholar, DIPS, Kohat University of Science & technology, Kohat

---

[1] محمد رفعت خان۔ایم فل سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ پاکستان سٹڈیز۔یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کوہاٹ

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے سزاوار ہیں جس نے ساری کائنات کی تخلیق صرف اس لیے کی کہ انسان آرام سے ربوبیت کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے اور تعلق مع اللہ کے زینوں پر کاربند سفر رہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف مخلوق پیدا کیا ہے اور اس کی دو اقسام کی ضروریات ہے، جسمانی ضروریات اور روحانی ضروریات۔ جسمانی ضروریات انسان کا زمین کے ساتھ وابستہ کیا ہے جبکہ روحانی ضروریات کا انحصار آسمانی تعلیمات پر ہے۔ انسان کی اصل کامیابی کا راز آسمانی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔ آسمانی تعلیمات کو سمجھانے کے لیے اللہ نے اس کائنات میں انسانوں کی رہنمائی کے سوا لاکھ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائیں۔ انبیا علیہم السلام پر صحائف اور کتابیں نازل فرمائیں۔ ان میں مشہور آسمانی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہے اور قرآن پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا۔ قرآن پاک ایک مسلمان امتی کی زندگی کا مرکز اور اس کا مقصد وحید ہے۔ قرآن پاک پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ہے جس کا مقابل نہیں ہو سکتا یہ وہ نسخہ شفاء ہے جس کی تلاوت، جس کا دیکھنا، جس کا سننا سنانا، جسکا سیکھنا سکھانا، جس پر عمل کرنا اور جس کی کسی بھی حثیت سے نشرواشاعت کی خدمت کرنا دنیا اور آخرت دونوں کی عظیم سعادت ہے۔

قرآنی آیات کی روشنی میں قرآن پاک کی عظمت وفضیلت:

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے اشرف مخلوق انسان کی بینائی بڑھانے کے لیے قرآن پاک نازل ن فرمائی اور اس کتاب قرآن پاک میں وہ تمام علوم اور حکمتیں جمع فرمائی جو کہ انسان ن کے لیے روحانی غذا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ نے ایسے لاتعداد علوم جمع فرمائی جس کا اندزا معلوم کرنا مشکل ہے۔ تورات، زبور اور انجیل بھی آسمانی کتابیں ہیں لیکن مقام اور مرتبے میں قرآن پاک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ قرآن پاک کی الفاظ کی شرینی اور انداز بیان بے مثل خوبیوں کا حامل ہے۔ قرآن پاک کی اہمیت اور فضیلت کا قرآن پاک کی آیات کریمہ سے بڑے بہترین انداز سے ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کا تعارف جتنا عمدہ خود قرآن پاک نے کیا ہے اور اس کی عظمت شناسی اور اس کی فضیلت خود اس کے ذریعے جتنا بہتر انداز سے معلوم ہو سکتی ہے، کسی اور ذریعہ سے معلوم ہونا محال ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اللہ کا کلام پاک ہے قرآن پاک خود اپنا تعارف بلیغ انداز میں پیش کرتا ہے۔

سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہے:

"الر كتاب أحكمت آياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير"[1]

(الرٰ) (یہ) وہ صحیفہ ہے جس کی آیات محکم و مستحکم ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑے حکمت و دانش والے، بہت خبر دار ذات (اللہ) کی جانب سے۔

سورۃ الشعراء میں قرآن پاک کا تعارف یوں بیان ہوا ہے:

"وإنه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين"[2]

---

[1] سورہ ھود آیت نمبر: 1

[2] سورۃ الشعراء آیت نمبر: 192 تا 195

(قرآن) رب کائنات کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے دیانت دار فرشتے نے (اے محمدؐ) آپ کے دل پر اتارا دیا ہے کہ آپ مطلع کرنے والے بنو، صاف اور فصیح عربی زبان میں۔

آیت کے تشریح میں الشیخ محمود بن احمد الدوسریؒ لکھتے ہیں:

"اللہ ازوا جل نے قرآن پاک نازل فرمانے کی انتساب اپنی جانب صرف اسی آیت میں نہیں کی؛ بلکہ اس کے علاوہ پچاس سے بھی زیادہ آیتوں میں کی ہے ۔ قرآن پاک کلام الہی ہے، کلام کرنے والے کا حسنِ کمال، کلام کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے، اسی طرح اس کی بڑائی اور بزرگی کی شان بھی واضح ہوتی ہے؛ کیونکہ اس کو نازل کرنے والا بڑی بزرگی اور عظمتوں والا ہے، مزید بر آں قرآن کے وقار اس کی قدر و منزلت اور عظمت ہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی شان انچا ہوتی ہے"[1]

سورہ یونس میں قرآن پاک کو اللہ نے اپنی مہر ابانی سے منسوب کیا گیا ہے:

قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون"[2] "

یہ صرف اللہ کا احسان و کرم اور اس کی نوازش ہے کہ یہ انعام آپ ہی کو نصیب ہوئی، پس یہ وہ انعام ہے جس پر لوگوں کو چاہیے کہ خوشیاں منائیں، جتنی بھی چیزیں دنیا میں لوگ سمیٹتے ہیں، قرآن پاک کی انعام، ان سب سے زیادہ اہم اور قیمتی نعمت ہے۔

ماہ رمضان کو بھی قرآن پاک کی نعمت سے وابستہ کر دیا گیا:

شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه[3]

"ماہ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اُسے کے روزے رکھے"۔

محترم جناب خرم مرادؒ صاحب مرحوم اس کا تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن پاک سے زیادہ بڑی کوئی دولت ایسی نہیں ہے، جو خوشی و جشن کی مستحق ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری خوشی کے سب سے مبارک مہینے کو قرآن پاک کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے"۔[4]

---

[1] ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ (پاکستان) قرآن نمبر ص ۱۱ جلد ۸۶ ش ۸۔۷، جولائی اگست ۲۰۱۱ء

[2] سورہ یونس آیت نمبر: 58

[3] سورہ البقرہ آیت نمبر: 185

[4] قرآن کا پیغام از خرم مراد مرحوم صاحب ص ۳۰، اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی

قرآن پاک کی عظمت و جامعیت کو سورۃ مائدۃ میں بڑے ہی بلیغ انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس کو سن کر ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تمہاری کتاب میں ایک آیت ایسی وارد ہوئی ہے، یہ آیت اگر ہمارے یہاں وارد ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو یوم عید اور خوشی کا دن منا لیتے، اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا، وہ کون سی آیت ہے؟

اس یہودی نے جواب دیا سورہ مائدۃ کی ذیل آیت:

"الیوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا"[1]

آج میں نے آپ کے دین کو آپ کے لیے مکمل کر دیا اور اپنی انعام آپ پر ختم کر دی اور آپ لوگوں کے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا۔

مولانا امین حسن اصلاحیؒ قرآن پاک کی بڑائی کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" قرآن پاک کو ایک اعلیٰ اور عظیم کلام تسلیم کر کے اس کو سمجھنے کے لیے کوشش کی جائے، اگر دل میں قرآن پاک کی برتری و اہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے حقیقتیں و معارف کے دریافت کرنے پر وقت صرف نہیں کر سکتا"۔[2]

خلاصہ یہ کہ قرآن پاک رب کریم احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ سلطان السلاطین کی طرف سے تمام انسانیت کے لیے اور بلخصوص امت محمدیہ کے لیے بڑی عظیم دولت عطا کی گئی ہے۔ قرآن پاک خالق کائنات کا کلام ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ تعلق رکھنے والہ خالق کائنات سے تعلق رکھنے والہ ہے۔ قرآن پاک چونکہ اللہ کا کلام ہے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنا، قرآن پاک کی آیات میں غور و غوض کرنا، قرآن پاک پر عمل کرنا اور قرآن پاک کی تعلیم و تعلم کے لیے انتظام کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ قرآن پاک پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں قرآن پاک پر عمل کرتے ہیں، اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں عزت و رفعت سے نوازتے ہیں۔

عظمتِ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی عملی نمونہ تھے۔ قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خود نازل ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وساطت سے صحابہ کرام کو اور صحابہ کرامؓ کے وساطت سے ہمیں پہنچا ہے۔ اور حضورؐ کی تمام کا قوال و افعال وحی غیر متلو ہے۔ اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضورؐ سے جو اعمال صادر ہوئے ہیں یا حضورؐ نے کرنے کا حکم دیا ہے وہ اللہ کے منشا کے مطابق ہیں۔ لہذا قرآن پاک کی فضیلت اور وقار خود آپؐ کے زندگی سے اور اس کے اقوال و افعال سے بہت اچھے طریقے سے معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ کرام نے حضورؐ کے تمام زندگی کے بارے امت کی رہنمائی کی ہے، حضورؐ کا خود قرآن پاک ساتھ تعلق کس طرح تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کے بارے میں روایت کرتے ہے:

---

[1] سورہ المائدہ آیت نمبر: 3

[2] مبادی تدبر قرآن، از مولانا امین احسن اصلاحی ص ۱۷، فاران فاؤنڈیشن لاہور

كان يعرض على النبي صلى الله عليه وسلم القرآن كل عام مرة--- قبض فيه[1]

"جبرائیل علیہ السلام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر سال ایک دفعہ قرآن پاک کا دورہ کرتے تھے لیکن جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں انہوں نے آپؐ کے ساتھ دو مرتبہ دورہ کیا۔ آپؐ ہر سال دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا"۔

آپؐ نے قرآن پاک کو مسلمانوں کے لیے دنیا میں سب بڑی دولت اور رانعام قرار دی ہے اور اسی طرح ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی تلاوت باعث رحمت اور نزول سکینت ہے ارشاد فرمایا ہے:

اجتمع قوم في بيت من بيوت الله تعالى عنده[2]

آپؐ نے فرمایا: جو بھی قوم (جماعت) اللہ کے گھروں مساجد میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور باہم اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہے اس پر سکینہ نازل ہوتی ہے، اسے اللہ کی رحمت اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے، فرشتے اسے حصار میں لے لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر محفل میں یاد کرتے ہیں، جو اس کے پاس رہنے والے مخلوق کی محفل ہیں یعنی مقربین ملائکہ کی محفل میں۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو قرآن پاک کی فضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے؛ صحیح مسلم میں عقبہ بن عامر رضی اللہ سے روایت ہے:

عن عقبة بن عامر، قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن في الصفة--- ومن أعدادهن من الإبل[3]

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ آپؐ گھر سے نکل کر تشریف لائے۔ ہم صفہ (چبوترے) پر موجود تھے آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ روزانہ صبح سویرے بطحان یا عقیق (کی وادی) میں جائے اور وہاں سے بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے دو بڑے بڑے کوہانوں والی اونٹنیاں لائے؟ ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسولؐ! ہم سب کو یہ بات پسند ہے آپؐ نے فرمایا: پھر تم میں سے صبح کوئی شخص مسجد میں کیوں نہیں جاتا کہ وہ اللہ کی کتاب کی دو آیتیں سیکھے یا ان کی قراءت کرے تو یہ اس کے لئے دو اونٹنیوں (کے حصول) سے بہتر ہے اور یہ تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر اور چار آیتیں اس کے لئے چار سے بہتر ہیں اور (آیتوں کی تعداد جو بھی ہو) اونٹوں کی اتنی تعداد سے بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی تلاوت، اس کے معانی کا علم حاصل کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کے جو فضائل بیان فرمائے، اور امت کو جس طرح اس کی ترغیب دی، مذکورہ بالا احادیث اس کی صرف چند مثالیں ہے، اور حدیث کے مجموعے اس قسم کی احادیث سے بھرے پڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت محمدؐیہ نے قرآن پاک وراس کے علوم کی ایسے ایسے پہلوؤں سے خدمت کی ہے، اور اس کے الفاظ و معانی کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسی بے مثال کاوشیں کی ہیں کہ ان کی تفصیلات کو دیکھ کر عقل مبہوت رہ جاتی ہے۔

---

[1] امام بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل، صحیح بخاری، رقم الحدیث (4997)

[2] ابو داود، سلیمان بن اشعب، سنن ابی داوّد، کتاب الفضائل القران، رقم الحدیث (1455)

[3] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل القران رقم الحدیث (1873)

لیکن اگر ہم مجموعی صورت حال کا جائزہ لے تو مختلف نتائج سامنے آجاتے ہے۔ بعض مقامات پر ایسے قرآن پاک کی خدمت کی نظائر سامنے آجاتے ہے، کہ دنیا میں اس کی مثال ملنا محال ہو جاتا ہے اور قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کی صحیح معنوں میں نشاندہی کر رہا ہے۔ جبکہ بعض ایسے پہلوؤں بھی ہے جس میں کچھ کمزوریاں بھی ہیں، کچھ ایسے گوشے ہے جو کہ قابل توجہ، قابل اصلاح اور قابل رحم ہیں۔

اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ قرآن پاک جیسی عظیم دولت کے ہوتے ہوئے یہ امت کیوں روبہ زوال ہے؟ تو تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

"إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم "[1]

"اللہ تعالی کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود (اپنے منشاء واختیار سے) اپنے احوال ونفسیات نہ بدل لیں۔"

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے مالٹا جیل کی تنہائیوں میں جو غور وفکر کر کے اس بیمار قوم کے لیے دوا تجویز کی تھی اے کاش اس قوم نے اگر اس نصیحت پر عمل کیا ہوتا تو شاید آج قوم کے حالات اتنے ناگفتہ بہ نہ ہوتے، مفتی محمد شفیع صاحب شیخ الہندؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس بات پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے وجوہات معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن پاک کو چھوڑ دینا اور دوسرا مسلمان قوم کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ پختہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی پوری زندگی اس کام میں خرچ کرونگا کہ قرآن پاک کو لفظاً ومعناعام فہم کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات جنگ و جدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے"۔[2]

مفتی محمد شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت نے جو باتیں فرمائیں ہیں، اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے۔ اس لیے ہمارے اختلافات میں سختی اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا اس لیے کہ قرآن پاک مرکز تھا اور جب مسلمان اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے۔"[3]

یہ بلکل عام اور سادہ سی بات ہے اور اس کو ایک عام انسان بھی سمجھتا ہے کہ اگر ہم مسلمان قرآن پاک پر عمل کرتے اور قرآن پاک کو اپنا مشعل راہ بناتے تو آج مسلم امہ کی یہ حالت زار اور خانہ جنگی اس حد تک نہ پہنچتی۔ آج دنیا کی ہر میدان میں مسلمان جو دست نگر ہے اس کی بنیادی وجہ قرآن پاک سے دوری ہے۔ اگر مسلمان اپنی ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے بستیوں سے گزرنے والا ضرور یہ محسوس کرتا کہ مسلمانوں کی بستی ہے، اور مسلمانوں کے محلوں میں قرآن پاک کی برکت کی وجہ سے رونق ہوتی۔ مسلمانوں کے بستیوں سے قرآن پاک کی تلاوت کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ آج کے زمانے کا مسلمان قرآن پاک سے کس طرح وابستہ ہے، کیا آج کا مسلمان قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، کیا آج کا مسلمان قرآن پاک میں غور وفکر اور تدبر کرتا ہے؟

---

[1] سورہ الرعد آیت نمبر: 11

[2] وحدتِ امت از مفتی شفیع صاحب مرحوم ص ۴۰-۳۹

[3] وحدتِ امت از مفتی شفیع صاحب مرحوم ص ۴۰-۳۹

مقاصد مطالعہ:

اس پیپر میں جائزہ لیا جائے گا کہ موجودہ ٹیکنالوجی دور میں مسلمانوں کا قرآن پاک کے ساتھ روایہ کیا ہے، اور مسلمان قرآن پاک کی تلاوت، ترجمہ اور تفسیر پر اپنا کتنا وقت صرف کرتے ہیں۔ قرآن پاک سیکھنے سکھانے میں مسجد، سکول اور گھر کا کردار کیا ہے، کیا بحثیت مسلمان قرآن پاک کا ناظرہ، ترجمہ اور تفسیر سیکھنا سکھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور مستقبل میں قرآن پاک کے تعلیم حاصل کرنے کا معمولات کس طرح ترتیب دیتے ہے۔

منہج مطالعہ:

اس مقصد لے لیے سوالنامے کو کوھاٹ یونیورسٹی کے 149 طلباء میں بغیر کسی خاص ترتیب تقسیم کیا اور طلباء مختلف مضامین پڑنے والے تھے۔ طلباء میں میل اور فی میل طلباء شامل ہیں۔ جس میں 76 مرد اور 73 زنانہ طلباء شامل ہے طلباء کی عمریں 19 سال سے 25 سال کے درمیان ہے۔ معلومات کی تجزیہ سٹیسٹیکلی اور بیانیہ طریقے پر کیا جائے گا۔

معلومات کا تجزیہ:

معلومات کی تشریح، وضاحت اور اس کی نتائج پر بحث کی جائے گا۔ معلومات کو ٹیبل کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جائزے میں شامل شراکاء کی رائے کو ٹیبل میں تعداد کی صورت میں لکھا گیا ہے ۔ یہ جائزہ اس بنیاد پر منعقد کیا گیا ہے کیا گیا ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کوھاٹ یونیورسٹی کی طلباء کا قرآن پاک کے ساتھ تعلق کتنا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت کو کتنا وقت دیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی تجوید، ترجمہ اور تفسیر کتنے درجے تک جانتے ہیں۔ اور بحثیت مسلمان مستقبل میں تجوید، ترجمہ اور تفسیر سیکھنے کا کیا ارادہ ہے، تلاوت قرآن پاک کے لیے کتنا وقت دیا جائے گا۔

سوال نمبر 1: کیا آپ قرآن پاک ناظرہ یعنی دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

جدول	آئٹم 1	آپشن	تعداد	پرسنٹیج٪
نمبر 1		ہاں	149	٪100
		نہیں	00	

جدول نمبر 1 کے آئٹم کا تمام شراکاء نے ہاں میں جواب دیا ہے کہ وہ قرآن پاک کا ناظرہ یعنی دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں ۔ اس جائزے میں شامل کوھاٹ یونیورسٹی کے مختلف مضامین پڑنے والے میل / فی میل طلباء ہے۔ اس سے یہ نتیجہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کوھاٹ یونیورسٹی میں جتنے بھی مسلمان طلباء ہے وہ قرآن پاک کو دیکھ کر پڑھ سکتے ہے۔ یہ ابتدائی تعلق ہے قرآن پاک کے ساتھ مسلمان کا جو کہ نتائج سے معلوم ہوا کہ موجودہ فتنے اور فساد کے زمانے میں پورے پاکستان کے بلعموم اور خیبر پختونخوا کے نوجوان طلباء جس کا تعلق عصری تعلیمی اداروں سے ہیں۔ ناظرہ قرآن پاک یعنی دیکھ کر قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں۔ اور عام مسلمان خواہ وہ کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتے ہو۔ ان کے بارے ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ مسلمان قرآن پاک دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں

سوال نمبر2: آپ نے ناظرہ قرآن پاک کہاں سیکھا؟

جدول نمبر2	آئٹم2	آپشن	تعدد	پرسنٹیج٪
		گھر	37	٪25
		سکول	04	٪03
		مسجد	108	٪72

جدول نمبر2 میں 149 شراکاء میں سے 37 شراکاءنے یہ آپشن استعمال کیا کہ انھوں نے گھر میں ناظرہ قرآن پاک سیکھا جبکہ صرف4 شراکاءنے یہ آپشن استعمال کیا کہ انھوں نے سکول میں ناظرہ قرآن پاک سیکھااور108 شرکاءنے اس سوال کے ضمن میں مسجد کا آپشن استعمال کیا۔تینوں آپشن کا پرسنٹیج 25پرسنٹ،03پرسنٹ اور72 پرسنٹ ہے۔پس زیادہ ترلوگوں نے مسجد میں قران پاک سیکھا،تو یہاں سے مسجد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،کہ مسلم کمیونٹی میں مسجد مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات کی تحفظ میں ریڑھ کی ہڈی کی حثیت رکھتاہے،جبکہ گھر کا آپشن بھی استعمال ہوا ہے،جو کہ بہت کم تعداد میں ہے،اور سکول کا آپشن جو کہ 03پرسنٹ ہے،جو کہ بہت زیادہ کم ریشو ہے یہ دونوں مقامات بھی معاشرے میں اہم ہیں۔لیکن اس صورت حال میں ان کے کردار قابل توجہ ہے۔پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اسلام اسکا مملکتی مذہب ہے اور اس کے آئین میں یہ بات شامل ہے کہ بنیادی اسلامی تعلیم حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن اس معلومات سے یہ بات واضح ہوتی کہ حکومت نے یاتو اس کے لیے کوئی پالیسی نہیں بنائی ہے یا اگر پالیسی بنائی ہے تو پھر اس کو عملی طور پر نافذ کرنے میں ناکام ہیں۔اس معلومات سے یہ بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان ایک اسلامی ملک میں اپنے مدد آپ کے تحت اپنی مذہبی علوم حاصل کرنے کے لیے عملی اقدامات کرتے ہیں۔

آئٹم نمبر3: آپ نے تقریباً کتنی عمر میں ناظرہ قرآن پاک سیکھا؟

جدولنمبر3	آئٹم3	آپشن	تعدد	پرسنٹیج٪
		06سال	04	٪03
		07سال	16	٪10
		08سال	11	٪07
		09سال	11	٪07
		10سال	40	٪26
		11سال	09	٪06
		12سال	29	٪19

		13سال	25	16٪
		14سال	08	05٪
		15سال	03	02٪

جدول نمبر 3میں شرکاء سے یہ پوچھا گیا ہے کہ کاآپ نے کتنی عمر میں ناظرہ قرآن پاک سیکھا،تو شراکاء نے بل ترتیب جواب دیا کہ 6،7،8،9،10،11،12،13،14،15سال کی عمر میں قرآن پاک سیکھا۔لیکن 09سال سے لے کر 13سال تک کے دورانیے میں زیادہ تر طلباء نے ناظرہ پڑاہے جسکی مجموعی تعداد 114 ہے، جبکہ 10سال کی عمر میں 40 طلباء نے ناظرہ پڑاہے۔اس جائزے میں میل / فی میل طلباء شامل ہے جن کی عمریں 19سال سے لے کر 25سال کے درمیان ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوبہ خیبر پختونخوا کے بلعموم جبکہ کوھاٹ ڈویژن کے بل خصوص بچے ابتدائی عمر میں ناظرہ قرآن پاک سیکھتے ہیں۔اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ناظرہ قرآن پاک سیکھنا جو کہ ابتدائی تعلق ہے صوبہ خیبر پختونخوا کے بل عموم اور کوھاٹ ڈویژن کے مسلمان اعلیٰ درجے پر آراستہ ہیں۔مزید یہ کہ مسلمان اپنے بچوں کے ناظرہ پڑھانے پر بھرپور توجہ دیتے ہیں اور آئمہ مساجد کا کردار بھی اس مقام پر ناقابل فراموش ہیں۔اور سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

آئٹم نمبر 4: کیا آپ روزانہ تلاوت کرتے ہیں؟

		آپشن	تعدد	پرسنٹیج٪
جدول نمبر4	آئٹم4	صرف رمضان میں	12	8.05٪
		ہاں	64	42.95٪
		نہیں	08	5.4٪
		کبھی کبھی	65	43.62٪

جدول نمبر 04 کے آئٹم میں چار آپشن ہے کہ آپ رمضان میں تلاوت، روزانہ تلاوت، کبھی کبھی تلاوت یا بلکل تلاوت نہیں کرتے ہے، ان میں سے کبھی کبھی کا آپشن زیادہ سلیکٹ ہوا جو کہ 65 مرتبہ ہے، اس کا پرسنٹیج 43.62 ہے۔اورہاں کا آپشن 64 مرتبہ جس کا پرسنٹیج 42.95 ہے۔جبکہ رمضان المبارک کا اپشن 12 مرتبہ جس کا پرسنٹیج 8.05 ہے۔اور نہیں کا آپشن 08 مرتبہ جس کا پرسنٹیج 5.4 ہے، ،اس عدادوشمار سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ 42.95 پرسنٹ مسلمان قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کی بنیاد پر کرتے ہیں، جبکہ 43.62 پرسنٹ مسلمان کبھی کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور 8.05 پرسنٹ مسلمان صرف رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔جبکہ 5.4 پرسنٹ ایسے مسلمان بھی ہے جو کہ قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتے ہیں۔عام مسلمان پر قرآن پاک کا حق ہے کہ وہ روزانہ ایک پارہ قرآن پاک کی تلاوت کریں اور سال میں دو مرتبہ قرآن پاک کی ختم کریں۔اس سوال کا تعلق مسلمان کے ذاتی حشیت سے ہے کہ ناظرہ قرآن پاک پڑاہے اس کی ذمہ داری بنتی ہے کے وہ قرآن پاک ساتھ تعلق قائم رکھے

کیونکہ قرآن پاک کے ساتھ تعلق خالق کے ساتھ تعلق ہے، مذکورہ صورت حال انتہائی قابل غور ہے۔کیونکہ بحثیت مسلمان قرآن پاک کے ساتھ تعلق مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے۔اگر مقصد سے انسان غفلت برتا ہے تو نقصان انسان کا مقدر ہو گا

آئٹم نمبر5: رمضان المبارک کے علاوہ سال میں آپ کتنی مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے ہیں؟

		سوال	آپشن	تعداد	پرسنٹیج٪
جدول نمبر5	آئٹم 5	سال میں آپ کتنی مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے ہیں؟	01	79	53.02٪
			02	26	17.45٪
			03	07	4.7٪
			04	06	4.02٪
			05	03	2.01٪
			06	03	2.01
			معلوم نہیں	13	8.72٪
			ایک مرتبہ نہیں	03	2.01٪

جدول نمبر5 میں یہ پوچھا گیا ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ سال میں کتنی مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے ہے۔اس سوال کا آئٹم نمبر4 کے ساتھ برائے راست تعلق ہے۔کیونکہ کہ جن مسلمانوں نے آئٹم نمبر4 میں روزانہ کا آپشن استعمال کیا ہو تو یہ ضروری ہے کہ وہ سال میں زیادہ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے ہونگے۔اور جن لوگوں نے کبھی کبھی کا آپشن استعمال کیا ہو تو نسبتا" کم تعداد میں قرآن پاک ختم کرتے ہونگے،اس سوال کے ضمن ایک مرتبہ کا آپشن زیادہ شرکاء نے منتخب کیا ہے جو کہ 79 مرتبہ 53.02 پرسنٹ ہے،اور دو مرتبہ کا آپشن 26 شرکاء نے منتخب کیا ہے جو کہ 17.45 پرسنٹ ہے۔اس طرح 3،4،5،6 مرتبہ کا آپشن بہت کم تعداد میں شراکاء نے منتخب کیا ہے۔جو کہ بل ترتیب 7،6،3،3 مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں،جس کا پرسنٹیج 4.7،2.014.02،2.01 ہے۔جبکہ 13 شراکاہ ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں۔جو کہ 8.72 پرسنٹ ہے اور 3 ایسے مسلمان بھی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ پورے سال میں ایک مرتبہ بھی قرآن پاک کا ختم نہیں کرتے جو کہ 2.01 پرسنٹ ہے۔اس معلومات ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ نوجوان مسلمان طلباء میں سے نصف سے زیادہ طلباء قرآن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور پورے سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک کی ختم کرتے ہیں جو کی زیادہ قابل تحسین تو نہیں ہیں۔لیکن کسی حد تک حوصلہ آفزہ ضرور ہیں۔اور 17 پرسنٹ ایسے طلباء ہے کہ وہ

سال دو مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں جو کہ قرآن پاک کا کسی حد تک تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور بعض مسلمان ایسے ہیں کا وہ سال میں 3 یا 4 مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں جو کی قابل تحسین ضرور ہے لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔

آئٹم نمبر 6: آپ کو قرآن پاک کا کتنا حصہ یا سورتیں یاد ہیں؟

سوالنامے کے اس آئٹم کے ضمن میں 149 شراکاء میں سے تمام شراکاء نے ایک دوسرے سے مختلف جواب دیے ہیں۔ ایسے شراکاء بہت کم ہے جس کا جواب ایک دوسرے سے ملتا ہو پورے شراکاء میں سے صرف ایک شریک ایسا ہے جس نے کہا ہے کہ اس کو پورا قران پاک یاد ہے اور 2 یا 3 شریک ایسے ہیں جو کہتے ہین کہ ان کو تین یا چار پارے یاد ہے۔ باقی اکثر شراکاء نے کہا ہے کہ اس کو 5 سورتیں 8 سورتیں 10 سورتیں 15 سورتیں 20 سورتیں 25 سورتیں یاد ہیں۔

آئٹم نمبر 7: کیا آپ قرآن پاک کو سمجھتے (ترجمہ، تفسیر) ہیں؟

جدول نمبر 7	آئٹم 7	آپشن	تعداد	پرسنٹیج ٪
		ہاں	27	18.12
		نہیں	54	36.24
		تھوڑا بہت	68	45.68

جدول نمبر 7 کے آئٹم میں یہ پوچھا گیا ہے کہ آپ قرآن پاک کو (ترجمہ و تفسیر) کے ساتھ سمجھتے ہیں؟ جائزے میں شامل 149 شراکاء میں سے 27 شراکاء ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن پاک کو ترجمہ یا تفسیر کے ساتھ سمجھتے ہیں، جس کا پرسنٹیج 18.12 ہے۔ اور 54 شراکاء ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہے کہ وہ تھوڑا بہت قرآن پاک کو ترجمہ یا تفسیر کے ساتھ سمجھتے ہیں۔ جس کا پرسنٹیج 36.24 ہے۔ جبکہ 68 ایسے شراکاء بھی ہیں کہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن پاک کو ترجمہ یا تفسیر کے ساتھ نہیں سمجھتے، جس کا پرسنٹیج 45.68 ہے۔

اس معلومات سے یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر مسلمان قرآن پاک کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ نہیں سمجھتے ہیں۔ اور بہت کم تعداد میں مسلمان ایسے ہیں کہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ یا تفسیر کا علم رکھتے ہیں۔

آئٹم نمبر 8: بحثیت مسلمان کیا ہمیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے؟

جدول نمبر 8	آئٹم 8	آپشن	تعداد	پرسنٹیج ٪
		ہاں	149	٪100
		نہیں	00	

جدول نمبر 8 کے آئٹم میں یہ پوچھا گیا ہے کہ بحثیت مسلمان کیا ہمیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے؟ جائزے میں شامل تمام شراکاء نے ہاں کا آپشن استعمال کیا ہے کہ بحثیت مسلمان ہمیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ بحثیت مسلمان سب اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا

مسلمانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ لیکن پھر مسلمان کے لیے کون سے مسائل ہے کہ اب تک مسلمان اس حوالے سے مطلوبہ حدف حاصل نہ کر سکے۔

آئٹم نمبر 9: مستقبل میں آپ کا قرآن پاک سیکھنے کا کیا ارادہ ہے؟

جدول نمبر 9	آئٹم 8	آپشن	تعدد	پرسنٹیج ٪
		ہاں	149	٪100
		نہیں	00	

جدول نمبر 9 آئٹم میں یہ پوچھا گیا ہے کہ مستقبل میں آپ کا قرآن پاک سیکھنے کا کیا ارادہ ہے۔ آئٹم نمبر 9 کا آئٹم نمر 8 کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ اور بحثیت مسلمان سب اس بات پر متفق ہیں کہ سب مسلمانوں کو سمجھ کر قرآن پاک پڑھنا چاہیے۔ اس ضمن میں جائزے کے تمام شراکاءنے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ مستقبل میں قرآن پاک کو تجوید، ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ قرآن پاک پڑینگے۔ اور اس کی ترویج اور تبلیغ کے لیے بھرپور کوشش کرینگے۔

خلاصہ بحث:

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور بحثیت مسلمان ہمارے فلاح کے لیے نازل ہوا ہے۔ جب یہ بات بطور عقیدہ ہمارے ذہن میں آجاتی ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہوتا کہ ہم اللہ تعالی کے اس پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کسی بھی پیغام کا پہلا حق یہی ہوتا ہے کہ اسے پڑھا جائے، سمجھا جائے اور پیغام بھیجنے والے کے مقصد سے آگاہی حاصل کی جائے۔

ناظرہ قرآن پاک سیکھنا ابتدائی تعلق ہے، جو کہ پاکستانی معاشرے بلعموم اور خصوصا" صوبہ خیبر پختونخوا کے لوگ اور تدریس سے تعلق رکھنے والے ابتدائی تعلق سے آراستہ ہیں۔ اور قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم پاکستانی معاشرے میں مساجد میں دی جاتی ہے، گھروں اور سکولوں میں قرآن پاک کے تعلیم کے لیے انتظامات کم ہوتے ہیں۔ لہذا یہاں پر بحثیت مسلمان گھروں کے سربراہان اور اسلامی حکومت وقت کی کمزوری واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم توجہ دینے میں ناکام ہیں۔ اور اوسط "10 سال یا 12 سال کی عمر میں قرآن پاک کا ناظرہ سیکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ مسلمان اپنے بچوں کے ناظرہ پڑھانے پر بھرپور توجہ دیتے ہیں اور آئمہ مساجد کا کردار بھی اس مقام پر ناقابل فراموش ہیں۔ اور سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ 42.95 پرسنٹ مسلمان قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کی بنیاد پر کرتے ہیں، جبکہ 43.62 پرسنٹ مسلمان کبھی کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور 8.05 پرسنٹ مسلمان صرف رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ جبکہ 5.4 پرسنٹ ایسے مسلمان بھی ہے جو کہ قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے، عام مسلمان پر قرآن پاک کا حق ہے کہ وہ روزانہ ایک پارہ قرآن پاک کی تلاوت کریں اور سال میں دومرتبہ قرآن پاک کی ختم کریں مذکورہ صورت حال انتہائی قابل غور ہے۔ اور نوجوان مسلمان طلباء میں سے نصف سے زیادہ طلباء قرآن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور پورے سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک کی ختم کرتے ہیں جو کی زیادہ قابل تحسین تو نہیں ہیں، لیکن کسی حد تک حوصلہ آفزہ ہیں۔ اور 17 پرسنٹ ایسے طلباء ہے کہ وہ سال دومرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں جو کہ قران پاک کا کسی حد تک تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور بعض مسلمان ایسے ہیں کا وہ سال میں 3 یا 4

مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرتے ہیں جو کی قابل تحسین ضرور ہے لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ زیادہ تر مسلمان قرآن پاک کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ نہیں سمجھتے ہیں۔ اور بہت کم تعداد میں مسلمان ایسے ہیں کہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ یا تفسیر کا علم رکھتے ہیں۔ بحثیت مسلمان سب اس بات پر متفق ہیں کہ سب مسلمانوں کو سمجھ کر قرآن پاک پڑھنا چاہیے، اس ضمن میں جائزے کے تمام شرکاء نے اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ مستقبل میں قرآن پاک کو تجوید، ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ قرآن پاک پڑینگے۔ اور اس کی ترویج اور تبلیغ کے لیے بھرپور کوشش کرینگے۔

تجاویز:

1۔ مساجد میں اکثر مسلمان قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور دن پانچ مرتبہ نماز ادہ کرتے ہیں لہذا مساجد میں ایسے ائمہ کرام کی تعیناتی کی جائے جو قرآپاک کے علوم جانتا ہو، اور مسجد کا امام ناظرہ قرآن پڑھانے کے ساتھ دن میں کم از کم ایک وقت چند آیات کی ترجمہ اور تفسیر کی کلاس کا بھی اہتمام کرے۔

2۔ حکومت پاکستان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ سکولوں میں بھی قرآن پاک پڑھانے انتظامات کرے اور اس کے لیے باقاعدہ عملہ تعینات کریں۔

3۔ والدین کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ بحثیت مسلمان اپنے گھروں کے اندر قرآن پاک سیکھنے سکھانے کے لیے قرآن پاک کے کلاسز کے لیے وقت محسوس کرے اور خود اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر اس کی نگرانی کرے۔

4۔ مسلمان اگر ہر نماز کے بعد تلاوت کے لیے تھوڑا وقت مخسوس کرے تو پورے سال میں قرآن پاک کو کئی مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے۔

♦-----♦ ♦-----♦ ♦-----♦

ختم نبوت ﷺ کورس سبق نمبر ا

عقیدہ ختم نبوت ﷺ کی اہمیت

(مفتی سعد کامران)[1]

اللہ کے فضل سے یہ " ختم نبوتؐ کورس" تقریباً عرصہ چار سال سے سوشل میڈیا (وٹس ایپ، فیس بک، ٹیلی گرام) پر کروایا جارہا ہے۔ 12 ہزار سے زائد لوگ اس کورس سے استفادہ حاصل کر چکے ہیں۔ جن میں مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے طلباء وطالبات اور اساتذہ بھی شامل ہیں۔ گذشتہ سال اس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا جسے علمی حلقہ میں بہت پزرائی ملی، اور چھ ماہ کے اندر ہی پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ الحمد للہ اس کورس کا عربی میں ترجمہ ہوچکا ہے اور اب تکمیل کے مراحل میں ہے۔ انگلش اور بنگالی زبان میں اس کا ترجمہ شروع ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

عقیدہ ختم نبوت ﷺ کیا ہے؟

عقیدہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ نبیوں کی تعداد حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پوری ہوچکی ہے۔ حضور ﷺ کے بعد نبوت اور رسالت ختم ہوچکی ہے۔ اب تا قیامت کسی بھی انسان کو نبوت یا رسالت نہیں ملے گی۔ یعنی تا قیامت نبیوں کی تعداد میں کسی ایک نبی کا اضافہ نہیں ہوگا۔

قرآن مجید کا اسلوب:

قرآن مجید نے جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، فرشتوں پر ایمان، قیامت پر ایمان کو جزو ایمان قرار دیا ہے۔ وہاں سابقہ انبیاء کرامؑ کی نبوت و رسالت پر ایمان بھی ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔

---

1 * مفتی سعد کامران (ایم فل سکالر۔ فاضل علوم اسلامیہ۔ مصنف کتب کثیرہ)

لیکن پورے قرآن میں ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد بھی کسی نئے نبی کی وحی یا نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ نبوت و رسالت حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد منقطع ہو چکی ہے۔ اب کسی کو نبوت یا رسالت دی نہیں جائے گی۔ یعنی تا قیامت کوئی نیا نبی یا رسول بنایا نہیں جائے گا۔ کیونکہ اگر کسی نئے نبی یا رسول نے آنا ہوتا تو قرآن جیسی جامع کتاب میں اس کا ذکر ضرور موجود ہوتا۔

اب ہم چند آیات آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن میں سابقہ انبیاء کرامؑ اور ان پر ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی پر ہونے والی وحی پر یا نئے نبی کی نبوت پر ایمان لانے کا کوئی ذکر اشارتاً، کنایتاً بھی نہیں ہے۔

آیت نمبر 1:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ۔ [1]

اور (ایمان والے وہ ہیں) جو اس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔ اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں۔

آیت نمبر 2:

لٰکِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ مِنۡہُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَالۡمُقِیۡمِیۡنَ الصَّلٰوۃَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِکَ سَنُؤۡتِیۡہِمۡ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۔ [2]

البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں اور مومن ہیں وہ اس (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا اور قابل تعریف ہیں وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

آیت نمبر 3:

وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۔ [3]

اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا۔ اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ 4:2

[2] سورۃ النساء 162:4

[3] سورۃ زمر 6:39

آیت نمبر 4:

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ۔ [1]

تم (ان سے) کہو کہ: اے اہل کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کون سی بات بری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کلام ہم پر اتارا گیا اس پر اور جو پہلے اتارا گیا تھا اس پر ایمان لے آئے ہیں، جبکہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔

آیت نمبر 5:

کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ [2]

(اے پیغمبر) اللہ جو عزیز و حکیم ہے، تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے ہیں، ان پر اسی طرح وحی نازل کرتا ہے۔

ان تمام آیات میں بلکہ پورے قرآن میں حضور ﷺ اور حضور ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی کا ہی ذکر ہے۔ حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں۔

عقیدہ ختم نبوت ﷺ اتنا ضروری اور اہم عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے عالم ارواح میں، عالم دنیا میں، عالم برزخ میں، عالم آخرت میں، حجتہ الوداع کے موقع پر اور معراج کے موقع پر اس کا تذکرہ کروایا۔

عالم ارواح میں عقیدہ ختم نبوت ﷺ کا تذکرہ:

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ۔ [3]

اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ: کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا تھا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور ﷺ کی آمد کا ذکر ہے کہ اگر وہ آخری نبی کسی دوسرے نبی کے زمانہ نبوت میں آگئے تو اس نبی کو اپنی نبوت کی تبلیغ چھوڑ کر نبی آخر الزماں ﷺ کی پیروی کرنی پڑے گی۔ یعنی عالم ارواح میں بھی حضور ﷺ کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

---

[1] سورۃ المائدہ 59:5

[2] سورۃ آل عمران 42:3

3 آل عمران 81:3

عالم دنیا میں عقیدہ ختم نبوت ﷺ کا تذکرہ:

عالم دنیا میں سب سے پہلے سیدنا آدمؑ پیدا ہوئے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ

"انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ"[1]

میں اس وقت بھی (لوح محفوظ میں) آخری نبی لکھا ہوا تھا جب آدمؑ ابھی گارے میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جس نبی کو بھی بھیجا اس کے سامنے حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ذکر یوں فرمایا۔

"لم یبعث اللہ نبیا آدم و من بعدہ الا اخذ اللہ علیہ العھد لئن بعث محمد ﷺ وھو حی لیومنن بہ ولینصرنہ"[2]

حق تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ میں سے جس کو بھی مبعوث فرمایا تو یہ عہد ان سے ضرور لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

"بین کتفی آدم مکتوب محمد رسول اللہ خاتم النبیین"[3]

آدمؑ کے دونوں کندھوں کے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی لکھا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لما نزل آدم بالھند واستوحش فنزل جبرائیل۔فنادی باالاذان اللہ اکبر مرتین۔اشھد ان لا الہ الااللہ مرتین۔ اشھد ان محمد الرسول اللہ مرتین۔قال آدم من محمد۔فقال ھو آخر ولدك من الانبیاء۔[4]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمؑ جب ہند میں نازل ہوئے تو ان کو (بوجہ تنہائی) وحشت ہوئی تو جبرائیلؑ نازل ہوئے اور اذان پڑھی۔ اللہ اکبر 2 بار پڑھا۔اشھد ان لا الہ الااللہ 2 بار پڑھا ۔اشھد ان محمد الرسول اللہ 2 بار پڑھا۔ آدمؑ نے جبرائیلؑ سے پوچھا محمد ﷺ کون ہیں تو جبرائیلؑ نے فرمایا کہ انبیاء کرامؑ کی جماعت میں سے آپؑ کے آخری بیٹے ہیں۔

---

[1] مشکوۃ: حدیث نمبر 5759، باب فضائل سید المرسلین ﷺ

کنز العمال: حدیث نمبر 31960، باب فی فضائل متفرقۃ تنبی عن التحدث بالنعم وفیہ ذکر ذکر نسبہ ﷺ

[2] تفسیر ابن جریر (عربی): جلد 5 صفحہ 540 تفسیر آل عمران 3:80، طبع مصر 2001ء

[3] خصائص الکبری: جلد 1 صفحہ 19 طبع ممتاز اکیڈمی لاہور

[4] کنز العمال: حدیث نمبر 32139، باب فی فضائل متفرقۃ تنبی عن التحدث بالنعم وفیہ ذکر ذکر نسبہ ﷺ

عالم برزخ یعنی عالم قبر میں عقیدہ ختم نبوت ﷺ کا تذکرہ:

قبر میں جب فرشتے مردے سے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرے نبی کون سے ہیں۔ تو مردہ جواب دے گا:

ربی اللہ وحدہ لا شریك له الاسلام دینی محمد نبی وھو خاتم النبیین فیقولان له صدقت۔ [1]

میرا رب وحدہ لاشریک ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں اور وہ آخری نبی ہیں۔ یہ سن کر فرشتے کہیں گے کہ تو نے سچ کہا۔

عالم آخرت میں بھی عقیدہ ختم نبوت ﷺ کا تذکرہ:

"عن ابی هریرۃ فی حدیث الشفاعته فیقول لهم عیسی علیه السلام ۔۔۔اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ، فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا، فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ، أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتِمُ الأَنْبِيَاءِ" [2]

حضرت ابو هریرۃؓ سے ایک طویل روایت میں ذکر کیا گیا ہے: آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب لوگ حضرت عیسیٰؑ سے قیامت کے روز شفاعت کے لئے عرض کریں گے تو وہ کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے اللہ کے رسول محمد ﷺ آخری نبی۔

لیجئے قیامت کے دن بھی حضور ﷺ کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو گا۔

حجتہ الوداع میں عقیدہ ختم نبوت ﷺ کا تذکرہ:

"عن ابی امامتہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ فی خطبته یوم حجته الوداع ایها الناس انه لا نبی بعدی ولا امته بعد کم" [3]

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی ہو گا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت ہو گی۔

خلاصہ

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیوں کی تعداد حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پوری ہو چکی ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ اتنا ضروری اور اہم عقیدہ ہے کہ عالم ارواح ہو یا عالم دنیا، عالم برزخ ہو یا عالم آخرت، ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کے تذکرے کروائے ہیں۔

♦-----♦ ♦-----♦ ♦-----♦

---
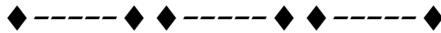
[1] تفسیر در منثور (عربی): جلد 14 صفحہ 235 تفسیر سورۃ الواقعہ آیت نمبر 83 مطبوعہ مصر 2002ء

تفسیر در منثور (اردو ترجمہ): جلد 6 صفحہ 404 تفسیر سورۃ الواقعہ آیت نمبر 83 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 2006ء

[2] بخاری: حدیث نمبر 4712، کتاب التفسیر، باب ذریۃ من حملنا مع نوح

[3] کنز العمال: حدیث نمبر 12918، باب حجۃ الوداع

ملحدین کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

(حافظ ابن جنید۔ سر شاہجہاں اقبال صاحب۔ علامہ شعیب خان کراچی۔)[1]

اعتراض:

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔(نساء 82)
زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل ہوتا ہے۔(قلم 10)
اللہ نے خود بار بار قسمیں کھائیں۔(شمس 1 تا 7)"

ازالہ:

احباب فقر ذرا اس ملحد کی دجل کاری ملاحظہ فرمائیں،

سورۃ نساء کی آیت نمبر 82 کوڈ کرنے کے بعد اس نے قرآن مجید پر پچاس اعتراض گڑھنے کی ناکام کوشش کی اس کی دجل کاری ان شاءاللہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی.

پہلا اعتراض کرتا ہے: قرآن میں سورۃ قلم آیت نمبر 10 میں لکھا ہے کہ **"زیادہ قسمیں اٹھانے والا ذلیل ہوتا ہے"** جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بارہاں قسمیں اٹھائیں تو یہ تضاد ثابت ہو گیا لحاظہ یہ خدا کا کلام نہیں.

اس کی دجل کاری کو پہلے ایک جہت سے لکھتا ہوں پھر تضاد کی شرائط پر روشنی ڈالوں گا جس سے ابہام روز روشن کی طرح دور ہو جائے گا.

آئیں اب سورۃ قلم کی آیت نمبر 10 دیکھ لیتے ہیں:

ولا تطع کل حلاف مھین

لفظی ترجمہ: و، اور، لا نہیں، تطع، تم اطاعت کرو. کل، ہر ایک. حلاف. زیادہ قسمیں اٹھانے والے کی. مھین، ذلیل

اصطلاحی ترجمہ: "آپ زیادہ قسمیں اٹھانے والے ذلیل کی اتباع نا کریں"

---

[1] حافظ ابن جنید: فاضل درس نظامیہ
شاہجہاں اقبال: ایم فل فاضل علوم عربیہ
علامہ شعیب خان: فاضل علوم اسلامیہ

یہاں پر معترض نے حلاف مھین کا ترجمہ 'مبتدا خبر' کا کیا ہے جو کے اسکی جہالت پر دال ہے ترکیب میں حلاف 'مھین مرکب توصیفی' ہے یعنی قسم اٹھانے والے شخص مھین کو کہا گیا ہے نا کہ مطلقا ہر قسم اٹھانے والے ذلیل کہا گیا۔

" کل حلاف مھین" یہاں پر کل حلاف سے مراد ہر قسم اٹھانے والا نہیں بلکہ جھوٹی قسم اٹھانے والے ہر شخص کی صفت مھین ذکر کی گئی چند نکات پیش کرتا ہوں:

لا تطع...فی محل جزم جواب الشرط مقدر ای.ان ضل المکذبون فلا تطعھم [1]

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

ثم قال تعالى: (ولا تطع كل حلاف مهين) وذلك أن الكاذب لضعفه ومهانته إنما يتقي بأيمانه الكاذبة التي يجترئ بها على أسماء الله تعالى، واستعمالها في كل وقت في غير محلها.

قال ابن عباس: المهين الكاذب. وقال مجاهد: هو الضعيف القلب. قال الحسن: كل حلاف: مكابر، مهين: ضعيف.

مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ جھوٹی قسمیں کھانے والا مذموم ہے اور اسی کی اطاعت کرنے سے روکا گیا ہے۔

ممکن ہے معترض کہے کہ آپ نے یہ بات نحوی الجھن میں الجھا کے گول کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وہ اہلِ علم جو ان علوم کو جانتے اور دسترس رکھتے ہیں اس کے ایک ایک نکتے کے حق ہونے سے واقف ہیں اور معترض کی لاعلمی سے باخبر خیر آئیں اب اس نحوی استدلال سے آگے بڑھ کے اس بات کا قران مجید کی آیات سے بھی جائزہ لیتے ہیں کہ قران نے لفظِ "حلف" جو معترض نے سورۃ القلم کی آیت نمبر 10 میں پیش کیا ہے۔

"ولا تطع کل حلاف مھین"

حالانکہ بڑی چالاکی سے معترض نے صرف ترجمہ لکھا وہ بھی درست نہ تھا پیش کیا خیر اب آتے ہیں اس لفظ "حلف" کی طرف جو بطور قسم استعمال ہوا ہے کیا مطلقا قسم کے معنی میں یا جو قسم جھوٹی یا توڑ دی جائے اس کے متعلق۔

کیونکہ لفظِ " حَلَفَ " قرآن کریم میں جن 13 مقامات پر استعمال ہوا ہے، بغیر کسی استثناء کے، تمام موارد میں یا جھوٹی قسم کیلئے استعمال ہوا ہے، اور یا قسم کھا کر توڑ دی گئی ہے، اور اکثر موارد میں فعلِ " حَلَفَ " کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔

علاوہ یہ کہ اِن میں سے گیارہ موارد میں یہ فعل، فعلِ مضارع کی صورت میں آیا ہے، جو کسی کام کے حادث ہونے اور مجدّداً انجام پانے پر دلالت کرتا ہے، یعنی فعلِ مضارع کی دلالت قسم کھانے والوں کے اپنی قسم پر ثابت قدم نہ ہونے پر ہے، جیسے " وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ "،

"اور وہ (منافقین) ہمیشہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ بھی یقیناً تم مومنین سے ہیں، حالانکہ باطن میں تم سے ہم عقیدہ نہیں ہیں۔"

قران مجید میں ایک جگہ پہ یہ فعل ماضی کے طور پہ آیا ہے وہ بھی قسم توڑنے کے معنی میں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔

اب آجائیں اس علمی بد دیانتی کی طرف جس کو علمی اصطلاح میں سیاق و سباق سے کاٹنا کہتے ہیں۔

---

[1] اعراب القرآن. محمود صافی

سورۃ قلم کی آیت نمبر 10 معترض نے ترجمہ پیش کیا۔ مگر اس کا سارا سیاق وسباق تج کر دیا۔ اسے شاید یہ معلوم نہیں کہ قضیہ کے سچ اور جھوٹ میں پورا اقتباس کیا معنی رکھتا ہے۔ قارئین کے لیے ایک مثال تاکہ سیاق وسباق کی اہمیت واضح ہو جائے جیسا کہ قران مجید میں ہے "نماز کے پاس مت جاو" اور دوسری جگہ ارشاد "نماز قائم کرو" اب بظاہر یہ تضاد ہے ویسا ہی جیسے معترض نے کیے ہیں۔ مگر اگر پہلی آیات کو اس کے مکمل سیاق وسباق میں دیکھے تو معاملہ صاف اور عیاں ہو جاتا ہے آئیں وہ آیت مکمل کونٹکسٹ میں دیکھے۔ "نماز کے پاس مت جاو نشے کی حالت میں" اب چونکہ "نشے کی حالت" کے سیاق کو بغض اور حسد کے نشے میں پیش کیا گیا تھا اس لیے تضاد معلوم ہوا۔

آئیں اس سورۃ کا جو معترض نے پیش کی اس کا سیاق وسباق میں جائزہ لیتے ہیں۔

سورۃ قلم کی شروعات "**والقلم** " سے ہوئی اور "**و**" بھی عربی میں قسم کے طور پہ آتا ہے۔ جب کہ آیت نمبر 10 میں قسم کے لیے لفظ "**حلف**" استعمال ہوا ہے خیر یہ بحث آگے چل کے مکمل کر لیں گے کہ معترض نے جو دو آیات پیش کیں اس میں دوسری سورۃ "والشمس" پیش کی اس میں صرف اردو ترجمہ قسم پہ جلدی جلدی اعتراض جڑ دیا یہ نہ دیکھا کہ یہاں قسم کے لیے کونسا لفظ استعمال ہوا۔ ان شاء اللہ یہ مزید آگے چل کے دیکھ لیں گے تو بات ہو رہی تھی سیاق وسباق کی پہلی 4 آیات میں آپ صلی اللہ علیہ والسلم کی دل جوئی اور خلق کو بیان کیا پھر دیکھے آیت نمبر 8 کو

"**فلا تطع المکذبین**" تو آپ جھٹلانے والوں کا کہانہ ماننا" اب آگے چلے آیت نمبر 10 کو جس کو سیاق سے توڑ کر اعتراض وارد کیا گیا وہ کیا ہے "**ولا تطع کل حلا ف مھین**" اب اس کو آیت نمبر 8 کے سیاق وسباق سے دیکھے تو بات واضح اور عیاں ہو جائے گی کہ جھٹلانے والے یعنی سچ اور حق پہ جھوٹ باندھنے والے اس قدر جھوٹ میں آگے جانے والے کہ "اکثر جھوٹی قسموں سے بھی گریز نہ کرنے والے"

اب بات صاف ظاہر ہے کہ آیت نمبر 10 میں انہیں جھوٹوں کا ذکر ہے جو اکثر قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اب آپ اسی سورۃ کو آخر تک پڑھ جائیں آپ کو پتا چل جائے گا کہ اُن کی مزید کیا کیا اور رزیل صفات بیان کی ہیں طوالت کے خوف سے پوری سورۃ کا ترجمہ پیش نہیں کروں گا قارئین خود ملاحظہ فرمالیں۔

اب ایک اور انداز سے اس کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا یہ رزیل اور جھوٹے لوگ ہی کا تذکرہ ہے یا یہ القابات کس کے لیے ہیں۔

اس آیت کے جتنے رزیل القابات بیان ہوئے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں" یہ تمام رزیل القابات ولید بن مغیرہ جو ان تمام وصف سے متصف تھا کے لیے استعمال کیے گئے ہیں جو نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ واسلم کا گستاخ تھا، جھوٹا کذاب وبد بخت تھا" (تفسیر قرطبی، رازی، نسفی وغیرہ)

ایک اور عربی تفسیر میں اس حوالے سے ملاحظہ فرمائیں کہ اس آیت کی کیا تشریح و توجیح بیان کی گئی ہے۔

قال السعدي في تفسيره: {{وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ}} أي: كثير الحلف، فإنه لا يكون كذلك إلا وهو كذاب، ولا يكون كذابًا إلا وهو {{مُهِينٌ}} أي: خسيس النفس، ناقص الهمة، ليس له همة في الخير، بل إرادته في شهوات نفسه الخسيسة.

آئیں اب ایک اور زاویے سے اس آیت کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ قسم در حقیقت ہے کیا۔ کیا ہماری زندگی اور عام معاملات میں معاشرتی سطح میں قسم کیا ہے اور اس کی کونسی قسم معیوب اور کونسی جنس معتوب ہے۔ اس کے لیے پہلے "قسم" کی تعریف دیکھتے ہیں علماءِ اصول کے نزدیک اس کی تعریف کیا ہے۔

قسم کی تعریف:

علّامہ محمد حسین طباطبائی" نے "قَسم" کی تعریف اِس طرح کی ہے: "خبر اور اِنشاء میں سے کسی ایک کے، کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ، جو شرافت اور اَرزش کی قابلیت رکھتی ہو، ایک خاص طرح کا تعلّق اور ارتباط پیدا کرنا"[1]

اب اس تعریف کو نظر میں رکھے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ قسم بذاتِ خود کیا ہے۔ جب انسان قسم اٹھاتا ہے تو وہ شرافت اور اعلی قابلیت رکھنے والی اشیاء سے ارتباط پیدا کر کے ایک خبر پیدا کرتا ہے۔ اب وہ بعض اوقات اس ارتباط کو مبنی بر کذب پہ منحصر رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کذب کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگ اپنی اخبار کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں جو حقیقت واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں۔

اب معترض کی پیش کی گئی آیت الشمس کو دیکھے 'والشمس "قسم ہے سورج کی" اب اس پوری آیت کو پڑھتے جائیں تو آپ پہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ کونسی سی قسم خلافِ واقعہ ہے اس اعتبار سے بھی معترض کا تضاد کسی بھی طور پہ ثابت نہیں ہوتا۔

اب آئیں ملحدین کی اس ڈومین اور جہت کو جو انہیں زیادہ مرغوب اور محبوب ہے اور وہ ہے عقلی اور منطقی آخر میں اس اعتبار سے بھی جائزہ لیتے ہیں تا کہ ہر اعتبار سے حجت تمام ہو جائے۔

منطق کی تمام کتب میں دو قضیوں یا کہہ لیں دو باتوں کے درمیان نقیض یا تضاد ثابت کرنے کے لیے آٹھ شرائط ہونا ضروری ہے آئیں ان کا ایک مختصر مگر جامع جائزہ لیں تا کہ منطقی سطح پہ بھی ہم اس قابل ہو جائیں کہ کیا یہاں اور دیگر آیات میں تضاد ہے بھی یا نقصِ عقل اور علمی بد دیانتی کو وطیرہ ہے

دو قضیوں میں تناقض کے لیے آٹھ باتوں میں اتحاد ضرور ہے۔ جو وحدات ثمانیہ کہلاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

1. دونوں قضیوں کا موضوع ایک ہو:

پس "زید کھڑا ہے" اور "عمر کھڑا نہیں ہے" ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ دونوں کا موضوع ایک نہیں۔

2. دونوں قضیوں کا محمول ایک ہو:

پس "زید کھڑا ہے" اور "زید بیٹھا نہیں ہے" ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ دونوں کا محمول ایک نہیں۔

3. دونوں قضیوں میں جگہ ایک ہو:

پس "زید مسجد میں بیٹھا ہے" اور زید گھر میں نہیں بیٹھا ہے" ان میں تعارض نہیں، کیوں کہ مکان ایک نہیں۔

4. دونوں قضیوں میں شرط ایک ہو:

پس "زید کی انگلیاں ہلتی ہیں اگر وہ لکھتا ہو" اور "زید کی انگلیاں نہیں ہلتی ہیں اگر وہ نہ لکھتا ہو" ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ شرط ایک نہیں۔

---

[1] المیزان فی تفسیرِ قرآن، ج6

5. دونوں قضیوں میں نسبت ایک ہو:

پس "زید عمر کا باپ ہے" اور "زید بکر کا باپ نہیں ہے" ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ اضافت ایک نہیں۔

6. دونوں قضیوں میں جزو کل کا اختلاف نہ ہو

یعنی یا تو دونوں قضیوں میں کل پر حکم لگایا گیا ہو یا جز جز پر، ایسا نہ ہو کہ ایک قضیہ میں تو کل پر حکم لگایا گیا ہو اور دوسرے میں جز پر:
جیسے "یہ کھانا کافی نہیں" یعنی سب کے لیے "اور یہ کھانا کافی ہے" یعنی بعض کے لیے۔ ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ ایک کا حکم کل پر لگایا گیا ہے اور دوسرا جز پر۔

7. دونوں قضیوں میں قوت و فعل کا اختلاف نہ ہو:

یعنی دونوں قضیوں میں محمول موضوع کے لیے یا تو بالفعل ثابت ہو یا بالقوہ، ایسا نہ ہو کہ ایک قضیہ میں محمول موضوع کے لیے بالفعل ثابت ہو اور دوسرے میں بالقوہ:
جیسے "یہ شیرۂ انگور شراب نہیں ہے" یعنی بالفعل اور "یہ شیرۂ انگور شراب ہے" یعنی بالقوہ۔ ان میں تناقض نہیں ہے، کیوں کہ ایک حکم بالفعل ہے دوسرا بالقوہ۔

8. دونوں قضیوں میں زمانہ ایک ہو:

پس "زید دن میں پڑھتا ہے" اور "زید رات میں نہیں پڑھتا ہے" ان میں تناقض نہیں ہے، کیوں کہ زمانہ ایک نہیں۔
ان سب شرائط کو بیان کرنا اس لیے ضروری تھا کہ تضاد کی لا علم گردان رٹنے والے تضاد کی شرائط کو جان لیں تا کہ ان کا علمی معیار اس قابل ہو کہ وہ چیزوں کو ان کی اصل کے مطابق دیکھ سکیں۔ اس آیت میں خود معترض کے نزدیک دو طرح کی قسمیں کھانے والے ہیں ایک "انسان" جس کا ذکر سورت قلم 10 میں ذکر ہے۔ اور دوسرا سورت الشمس میں قسموں ذکر ہے جو اللہ کریم کی طرف سے ہیں تضاد کی شرائط کے مطابق کیا دونوں آیات ایک ہی جنس کے افراد کے متعلق ہے۔
کیا کوئی معقول آدمی اللہ اور مخلوق کو ایک جنس میں تصور کر سکتا ہے سوائے جہلاء اور علمی بد دیانتوں کے علاوہ یا جن کا بغض حد سے بڑھا ہو۔ اس طرح تضاد کی ایک شرط سے یہ خارج ہو گی۔
اب انصاف پسند حضرات ان کا تمام تضادات کی شرائط کو سامنے رکھ کر جائزہ لیتے جائیں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔
ان شاء اللہ یہ صرف ایک تضاد کا جواب تھا اس میں مزید بھی بہت کچھ کہا جا سکتا تھا مگر اتنے پہ اکتفاء کیا گیا ہے۔
ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ التوفیق الا باللہ۔

♦-----♦♦-----♦♦-----♦

آتشِ نمرود پر الحادی فکر کا احاطہ

تحقیق و تحریر: سید محمد وقاص۔[1]

کچھ عرصہ قبل راقم الحروف کی نظر سے کچھ ایسا مواد گزرا جو بظاہر ایک قرآن کے ایک باب پر منضبط تحقیق کا نچوڑ معلوم ہوتا تھا۔ تاہم ذرا قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ الحادی مذہب کے کسی پیروکار کی جانب سے پیش کردہ نتائج فی الواقعہ کسی تحقیقی عرق ریزی کا نتیجہ نہیں تھے اور نہ ہی پیش کردہ تحریر کی پُشت پر علمی دیانتداری کا جذبہ کارِ فرما تھا۔ تحریر کا مطالعہ کرنے کے بعد قرآنی تاریخ اور لسانیات کے ماہرین پر کم از کم یہ بات واضح ہونا لازم تھا کہ وہ تحریر بے تحاشہ علمی و فکری نقائص کی حامل تھی۔ جس تحریر کا سطورِ بالا میں تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت قرآن میں بیان کیے گئے "آتشِ نمرود" کے واقعہ کے تنقیدی جائزہ پر مبنی ایک ایسی تحریر تھی جس کا ماٰخذ الحادی کیمپ تھا۔

نیچے درج کی گئی یہ تحریر قرآنِ کریم میں بیان کردہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے "آتشِ نمرود" کے واقعہ کی الحادی تنقیص ہے (تنقیص کہنا اِس لیے زیادہ مناسب ہے کیونکہ علمی اصولوں کے تحت ایسی کوئی بھی متعصب تحریر ہرگز علمی تنقید قرار نہیں پا سکتی)۔ اِس تحریر میں مُلحد مصنف نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمد الرسول اللہ ﷺ چونکہ بائبل کے عہدِ قدیم کی زُبانوں عبرانی و سریانی سے ناواقف تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آتشِ نمرود والا سارا واقعہ یہودِ مدینہ کی زُبان سے سُن کر اُس کا منظم عربی متن میں تشکیل دیا اور بعد ازاں اُس کو الہامی قرآن کا حصہ بنا ڈالا۔ موصوف کے بقول یہ بات ہی نبوتِ محمدیہ ﷺ پر سب سے بڑا سوالیہ نشان کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے کہ محمد ﷺ یہودیوں سے قصے سُن سُن کر آلِ یہود کے بنائیے پر ہی قرآن کی آیات بناتے رہے۔ اِس موضوع پر تبصرہ کے لیے مزید گہرائی میں جانے کیا بجائے مناسب رہے گا کہ مُلحد لکھاری کی تحریر کا کچھ حصہ یہاں درج کر دیا جائے تاکہ قارئین معترضِ مذکورہ کی اصل تحریر کے متن اور اِس کے خیالات و مندرجات سے براہِ راست واقف ہو سکیں اور اِس تحریر کا ردّ پڑھتے ہوئے اُن کے اذہان میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

مُلحد معترض لکھتا ہے:

"دوسرا قصہ حضرت ابراہیم کے آگ سے بچ جانے کا: یہ قصہ قرآن میں مکمل طور پر ایک جگہ نہیں ملتا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرق مقاموں پر جا بجا آیا ہے۔ سورہ بقرہ، سورہ انعام، سورہ انبیا، سورہ مریم، سورہ شعرا، سورہ عنکبوت، سورہ صافات، سورہ زخرف اور سورہ ممتحنہ میں ٹکڑوں کی شکل میں یہ قصہ موجود ہے۔ لیکن انبیا کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً قصص الانبیا اور عرائس المجالس وغیرہ، ان میں ایک ترتیب و سلسلہ کے ساتھ اس کا بیان ہوا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ یہ قصہ خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں (یا) دوسری کتابوں میں، سب کا

---

[1] سید محمد وقاص: مدرس علوم بائبل۔ باب العلم ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان،

سب یہودیوں کی ایک پرانی کتاب سے ماخوذ ہے جس کا نام "مدراش رباہ" (Midrash Rabba) ہے۔ اس قصے کا موازنہ بھی کلیئر ٹسڈل نے اپنی کتاب میں کافی تفصیلی کیا ہے، لیکن اس سے قطع نظر ہم براہ راست نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم اس قصے کو یہودیوں کی کتابوں اور قرآن سے ملا کر دیکھتے ہیں تو برائے نام فرق پاتے ہیں جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ محمد نے اسے ان کتابوں سے نقل نہیں کیا بلکہ یہودیوں کی زبانی سن سنا کر اسے تسلیم کر لیا اور قرآن میں شامل کر دیا۔۔ اب سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ یہ افسانہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟ واضح ہو کہ توریت، کتاب پیدائش،[1] میں جہاں خلیل اللہ کی ہجرت کا ذکر لکھا ہے، وہاں خدا نے ان سے فرمایا، "میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے (شہر) اور سے نکال لایا"۔ بابلی زبان میں "اور" کے معنی ہیں شہر۔ اس بابلی لفظ "اور" کا ہم شکل ایک اور کلدانی لفظ "اُر" ہے جس کے لغوی معنی شعلہ و آتش کے ہیں۔ مدتوں بعد ایک عبرانی مفسر جوناتھن بن عزئیل (Jonathan Ben Uzziel) نے توریت کا ترجمہ کلدانی زبان میں کیا۔ یہ شخص بابلی زبان سے بالکل ناواقف تھا۔ اس کو ان دونوں لفظوں کے درمیان التباس واقع ہوا اور اس نے بابلی "اور" کو کلدانی "اُر" سمجھ لیا اور آیت کا ترجمہ یوں کر دیا، "میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے آگ کے تنور سے نکال لایا۔" اب یہ صاحب جب اس آیت کی شرح کرنے بیٹھے تو مطلب حل نہ ہوا، چنانچہ ہمارے جمعہ کے خطیبوں کی طرح انھوں نے اپنی واعظانہ شرح میں یہ تمام قصہ بیان کر ڈالا۔ اب یہ غور طلب بات ہے کہ کسی ناواقف شخص کا اس قسم کی غلطی سے متاثر ہو جانا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حیف کہ اس فرضی افسانے کو خاتم الانبیا حق سمجھ لے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ انھیں یہ "فرضی افسانہ" سنایا اور اس پر یہ اضافی دعویٰ کہ یہ قصہ لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ افسوس، اس غلطی سے اہل یہود کے معمولی محققین تک محفوظ ہیں لیکن لوح محفوظ نہیں۔"

جواب:

آپ مطالعہ کے دوران واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ یہ ساری تحریر ہی "چونکہ۔ چنانچہ" کی قیاس آرائیوں پر کھڑی ہے، جس سے یہ واضح ثابت ہوتا ہے کہ اِس تحریر کا مصنف تاریخ اور لسانیات کے نام پر زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے اور اِس کوشش میں جو حوالہ جات وہ پیش کر رہا ہے اُن کا انداز قیاس آرائی اور مفروضہ قائم کرنے کے عمل میں کڑیاں ملانے کی سعی سے مشابہت رکھتا ہے۔ تاہم اُس مصنف کا اصل المیہ یہ ہے کہ اُس کا اپنا علم محدود ہے اور اُس کی ساری تحقیق انٹرنیٹ پر موجود اِسلام مخالف چند ویب سائٹس پر انحصار کر کے کھڑی ہے۔ اِسلام کی نفرت کا شکار (مسیحی) مُصنفین کی ایک بڑی آماجگاہ ایسی ہی تحریر کی بُہتانات کے ساتھ ایک اہم ترین ویب سائٹ Answering Islam کے نام سے اِنٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اِسلام مخالف اکثر و بیشتر مواد یہیں سے اُٹھا کر ترجمہ کے بعد مختلف الحادی حلقوں اور زاویوں میں "گراؤنڈ بریکنگ ریسرچ" کے دعویٰ کے ساتھ پیش کر دیا جاتا ہے اور سادہ لوح قارئین ذاتی کم علمی کے باعث ایسے دعوؤں کو من و عن تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنا ایمان گنوا بیٹھتے ہیں۔ پاکستانی مُلحدین کا ایک اور المیہ یہ بھی ہے کہ جب یہ قرآنِ کریم کا موازنہ یہودی و مسیحی کُتب سے کرتے ہیں تو یہ دُوسروں کی تحقیق پر ہی انحصار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ یہ خود نہ تو یہودی صحائف کی زُبانوں مثلاً عبرانی (Hebrew)، سریانی (Syriac/Yiddish)، آرامی (Aramaic)

---

[1] توریت، کتاب پیدائش، باب 15، آیت 7،

وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ہی مسیحی صحیفے کی زُبان ریختہ ءیُونانی (Koine Greek) سے کسی قسم کی شناسائی کے حامل ہوتے ہیں۔ لٰہذا اِن کی نام نہاد تحقیق کو منہدم کرنے کے لیے اُن زُبانوں کا محض سطحی سا علم ہی "ڈائنامائیٹ" کا کام کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اِس ضروری گُفتگو کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور مذکورہ بالا اعتراض کا حوالہ جاتی ابطال مکمل ثبوتوں کے ساتھ درجہ بدرجہ کرتے ہیں۔ یہ بحث تھوڑی خُشک اور علمی طور پر ثقیل ثابت ہو گی، لہٰذا اِس کے نتائج تک پہنچنے کے لیے قاری کی مُکمل توجہ اور تحمّل دونوں درکار ہوں گے۔ ذیل میں پیش کردہ ساری تحقیق حوالہ جات کے ساتھ اور کامل علمی دیانتداری کی حامل ہو گی، جس کے بعد اِس بیان وبُرہان کا ردّ ممکن نہیں ہو گا۔

معاملہ یُوں ہے کہ جس اصل لفظ پر بحث کی پُوری عِمارت قائم کر کے مُلحِد لکھاری نے قرآنِ کریم پر اعتراض گھڑا ہے وہ کُلدانی (Chaldean) زُبان کا لفظ "אוּר" (اُور-Uwr) ہے، جس کا لُغوی معنی ہے "شعلہ" (Flame)۔ بائبل کے "عہد نامہ قدیم" (Old Testament)، جسے "عبرانی بائبل" بھی کہا جاتا ہے، کی انگریزی زُبان میں موجود معروف ترین لغت Brown-Driver-Briggs Lexicon کے مطابق "شعلہ" کے معنیٰ کا حامل یہ لفظ "مُذکر" جِنس مُتصوّر ہوتا ہے۔ مزید بر آں، وِلیم ہالیڈے کے معرُوف A Concise Hebrew and Aramaic Lexicon of the Old Testament کے صفحہ 7 پر موجود اندراج کے مطابق "اُور" جمع کا صیغہ ہے اور اِس کا معنیٰ "آگ کی روشنیاں اور تپش" ہے۔ یہ لفظ انہی معانی کے ساتھ عہد نامہ قدیم کی کتاب "یسعیاہ" (Isaiah) کے میں واقع ہوا ہے۔ لہٰذا جو صاحب اِس لفظ کا ترجمہ "شہر" کر رہے ہیں، اُن کے علم کی حقیقت کی قلعی یہیں کھل جاتی ہے۔ کِتابِ یسعیاہ کے اِس فقرہ (آیت) کو عبرانی متن اور اُردو ترجمہ کے ساتھ علمی بُرہان کے طور پر ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

(عِبرانی زُبان دائیں سے بائیں پڑھی جاتی ہے)

[1]הֵן כֻּלְּכֶם קֹדְחֵי אֵשׁ, מְאַזְּרֵי זִיקוֹת; לְכוּ בְּאוּר אֶשְׁכֶם

ترجمہ:

"لیکن تم باقی لوگ جو آگ لگا کر اپنے آپ کو جلتے ہوئے تیروں سے لیس کرتے ہو، اپنی ہی آگ کے شعلوں میں چلے جاؤ!"

اِسی طرح اِسی لفظ کی ایک دوسری شکل "אוֹר" (اَور-Owr) بھی ہے، جس کا معنیٰ "روشن ہونا" ہے اور یہی لفظ عِبرانی لُغت کے اِس باب کا مصدر بھی ہے (جس کو عِبرانی قاعدہ میں "قال کامل" -Qal Perfect- کہتے ہیں)۔ مذکورہ بالا تحریر کے مصنف کی جانب سے عِبرانی وکُلدانی زُبان کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا جانا کہ "اُر" اور "اَور" دو علیحدہ ابواب سے تخریج کردہ باہم مختلف معنی کے حامل الفاظ ہیں، جن کے انفرادی معانی "آگ" اور "شہر" کے ہیں، سوائے ٹامک ٹوئی کے کچھ بھی نہیں ہے۔ شہر کے لیے یہودی صحائف، یعنی بائبل مقدّس کے عہد نامہ قدیم میں استعمال کیا گیا لفظ اصل میں "עִיר" (عِیر-Eer) ہے ("ع" اور "الف" کا فرق ملحوظِ خاطر رہے، کیونکہ عِبرانی ابجد میں دونوں حروف موجود ہیں)، جس کو موصوف "اور" کے ساتھ 'خلط ملط' کر رہے ہیں۔ اِسی طرح خالِصتاً "آگ / آتش" کے لیے یہودی صحائف کے شروع سے آخر تک استعمال ہونے والا لفظ "אֵשׁ" (ایش-

---

[1] یسعیاہ ۵۰:۱۱

Aysh) ہے، جس کو اِس موضوع سے ناواقفیت اور جہالت کے باعث مُلحد لکھاری نے پہلے لفظ کی طرح "اُر" کے ساتھ خلط ملط کر کے پیش کر دیا ہے اور اپنی تحقیقی اہلیت پر ایک بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔

چونکہ یہ بحث کثیل لغوی، لسانی اور انشاء پردازی کے تصورات و مندرجات پر مبنی ہے، اِس لیے راقم اِس کو محض لسانی حدود تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کرے گا اور اِس واقعے کے متعلق کسی دیگر (مثلاً تاریخی، تفسیری، رُوحانی) پہلو کی طرف اِس موجودہ تحریر میں جانے سے گریز کرے گا، کیونکہ مذکورہ بالا حوالہ جات ہی سبھی اعتراضات کو دھو دینے کے لیے کافی ہوں گے۔

اعتراضات کی حامل مذکورہ بالا تحریر میں جو دُوسرا حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ بائبل مقدّس کی پہلی کتاب "پیدائش" سے دیا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں تک کتابِ پیدائش کے باب 15، فقرہ 7 کا تعلق ہے تو وہاں وارِد ہونے والا لفظ "اُر" در حقیقت "اِسمِ معرفہ" (Proper Noun) کے طور پر استعمال کیا گیا ہے (بحوالہ مذکورہ بالا لغاتِ بائبل، عہد نامہ قدیم)۔ مزید ثبوت کے لیے کتابِ پیدائش کا یہ فقرہ اُردُو ترجمہ میں پیش کیا جا رہا ہے:

پھر رب نے اُس سے کہا، ’’مَیں رب ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے یہاں لے آیا تاکہ تجھے یہ ملک میراث میں دے دوں۔‘‘

اِس نام سے ملتے جُلتے نام کی ایک اور اہم شہری ریاست "اُروک" بھی قدیم عراق (Mesopotamia) میں موجود تھی۔ واضح رہے کہ قدیم عراق کو آثارِ قدیمہ اور تاریخ میں "میسوپوٹیمیا" یعنی "دو دریاؤں کی درمیانی سرزمین" کے نام سے پُکارا جاتا ہے اور یہ ابتداً "سومیری" (Sumerians) لوگوں کی تہذیب کا گہوارہ اور پانچ شہری ریاستوں پر مشتمل ایک مکمل تہذیبی و تمدّنی سلطنت تھا جو فی زمانہ مصری ریاست (Egypt) کے ہم پلّہ واقع ہوا تھا۔ اِس وضاحت کے بعد قرآنِ کریم پر اعتراض لگانے والے اُس مصنف کی جہالت پر مزید کیا تبصرہ کیا جائے کہ اُس نے "اسمِ معرفہ" کو "اِسمِ نکرہ" بنا ڈالا اور اِس پر ایک ایسا مفروضہ قائم کر دیا جس کی نہ تو کوئی تاریخی حقیقت ہے اور نہ ہی لسانی و لغوی اعتبار سے کوئی وزن رکھتا ہے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ یہی معرُوف اِسم در حقیقت آلِ اسرائیل کے کئی لوگوں کا نام بھی تھا، جس کا حوالہ خود بائبل میں موجود ہے[1]۔

آخر میں اِس بحث کو حتمی اختتام تک پہنچانے کے لیے اہلِ مغرب کے فلسفہءِ تاریخ پر مبنی قیاس پر ہلکی سی گُفتگو کی ضرورت ہے۔ ہیگل کے فلسفہءِ تاریخ سے متاثر مغربی اکادمی کا اصولِ تاریخِ ماضی کے استخراج کے لیے "ممکن اور ناممکن" (Possibility and Impossibility) کے تصور پر قائم ہے، جبکہ ذرائع تاریخ (Historical Sources) اور فلسفہءِ غالب امکان (Probability) کی قبولیت کا معیار بھی یہی اوّلین اصول ہے۔ ملحدین کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اُن کا کُلیۃً جھکاؤ "Possibility" کی بجائے "Probability" کی طرف ہوتا ہے، جس سے فلسفہءِ تاریخ کا بنیادی اصول ہی پامال ہو جاتا ہے اور نتیجۃً نتائج "لُولے لنگڑے" ہی نکلتے ہیں، جو الحادی افکار کی مکمل ترجمانی کرنے کے لیے تو کافی ہوتے ہیں اور الحادی مذہب کی منشاء کا اظہار ہوتے ہیں، لیکن حقائق اور علمی دیانتداری سے کوسوں دُور ہوتے ہیں۔

اگر اُوپر آنے والے اِسمِ معرفہ، یعنی حضرت اِبراہیم (علیہ السلام) کے شہر کے نام "اُر" کے متعلق جتنی بھی تحقیق کی جائے، لیکن اُس کی تمہید کے طور پر دیکھنا لازم ہو گا کہ یہ امر اصلاً "ممکنات" کے اصول پر کھڑا بھی ہے یا نہیں؟ در حقیقت، واقعہ کچھ یُوں ہے کہ دورِ قدیم سے ماضی قریب تک

---

1 دیکھیے 1 تواریخ، باب 11، فقرہ 35

عموماً شہروں اور دیہاتوں کے نام یا تو کسی واقعہ کی طرف نسبت سے رکھے جاتے تھے یا پھر اہم شخصیات سے منسوب کیے جاتے تھے۔ دراصل، مشاہدے پر معلوم ہو گا کہ یہ اصول آج بھی پامال نہیں ہوا اور پوری طرح سے آج کے معاشرہ پر بھی لاگو ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ لہٰذا بائبل کے مصنفین کی جانب سے حضرت ابراہیم کے شہر کو "آگ کے شعلوں اور روشنیوں" کا شہر کہہ کر مخاطب کرنا اور اِس کا ذکر بائبل کی تحریر، جو کہ 1000 ق م کے بعد قلمبند ہوئی، کے دور میں اُسی نام سے کرنا ہرگز اچنبھے کی بات نہیں، بلکہ عین قرینِ قیاس اور عکاسِ حقیقت ہے۔ اِس کا بہترین قیاس بائبل کے اندر موجود معروف ناموں سے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ بائبل قدیم انبیاء کے نام اُن کے اوصاف، پیشہ یا بعثت کے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر رقم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے انسان کو "آدم" (אָדָם) محض اِس لیے کہا گیا کیونکہ عبرانی میں "آدمہ" (אדמה) مٹی اور دُھول کو کہتے ہیں، جبکہ انسان مٹی سے بنایا گیا تھا، لہٰذا پہلے انسان کو "آدم" یعنی "مٹی کا بنا ہوا" کہا گیا اور یہی اُس کا نام ٹھہرا۔ اِسی طرح کی ایک اور مثال لفظ "اُردن" (יַרְדֵּן - یردین) سے دی جا سکتی ہے جس کا لُغوی معنی ہے "پست جگہ، نیچے جانے والا"۔ بنی اسرائیل کے لوگ دریائے اُردن کے نیچے کی طرف تیز بہاؤ اور اِس کے مضافات کی سطح زمین باقی علاقوں کی نسبت گہری ہونے کی وجہ سے اِس خطہ کو "یردین" کے نام سے ہی پکارا کرتے تھے۔ لہٰذا اِس جگہ کا مستقل نام ہی "یردین / اُردن" قرار پا گیا اور آج اِسی نام سے وہاں ایک ملک بھی قائم ہے۔ اِن قیاسات پر نارِ نمرود کے قرآنی بیان کی صداقت کا معیار اِس لیے بھی قائم کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم والے واقعہ کی تفصیل یہودی "مِدراش" میں موجود ہے، اور یہ بالکل اُسی آیت کی تفسیر ہے جس کے حوالے سے اِس ساری بحث کا غیر حقیقی نتیجہ نکالنے کی کوشش ملحد مصنف نے کی ہے۔

خلاصہ:

اُوپر پیش کردہ تحقیق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معترض نے اپنی تحریر میں نہ صرف علمی "ڈنڈی" ماری ہے، بلکہ اُس کا "جوناتھن بن عُزیل" نامی یہودی مفسّر کے متعلق دعویٰ بھی جہالت و غفلت کا نتیجہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہلِ زُبان علماء خود اپنی زُبان کے متعلق اِس قدر بڑے مغالطوں کا شکار رہیں، جبکہ دو ہزار سال بعد ایک ایسا شخص اُٹھ کر اُس کی تصحیح کر دے جو خود سرے سے وہ زُبان جانتا ہی نہ ہو؟

بائبل کی پہلی کتاب، کتابِ پیدائش کے باب 15، فقرہ 7 کی تفسیر یہودی عُلماء کی اکثریت زمانہ قدیم سے بالکل وہی کرتی آرہی ہے، جو قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ "مدراش" درحقیقت یہودی صحائف کے متعلق ترتیب دیئے گئے "اصولِ تفسیر" اور "شرحِ تناخ و مِشناء" (Tanakh and Mishna- تحریری و زُبانی شریعت) کا ہی نام ہے، جن دونوں کو "الہامی" سمجھا جاتا ہے۔ "مدراش" یعنی یہودی صحائف کی تفسیر کے عمل کو مکمل کرنے اور کتابی شکل دینے کا علمی نام "تالمود" (Talmud) ہے۔ لہٰذا، یہ ثابت ہوا کہ یہودی تالمود بھی مذکورہ بالا بائبلی حوالہ کی تفسیر بالکل وہی کرتی ہے، جس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم کے "نارِ نمرود" والے واقعہ کی صورت میں موجود ہے۔ مزید عرض کرتا چلوں کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکے جانے والی تفسیر صرف "مِدراش ربّاح" (מדרש רבה) نامی واحد شرح میں ہی موجود نہیں ہے، بلکہ یہودی تالمود کی کئی دیگر کُتب (مدراشیم) کا حصہ بھی ہے، لہٰذا مدراش رباح کے نام سے مخصوص کر کے کیا گیا یہ دعویٰ بھی اعتراض کرنے والوں کے محدود علم کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ تحریر قارئین کے ابہامات اور اعتراضات کے ازالہ کے لیے تریاق ثابت ہو گی۔

◆-----◆◆-----◆◆-----

عہد نامہ جدید میں یسوع مسیح کی شخصیت کا ارتقاء

عبداللہ غازی[1]

یسوع کے وقتاً فوقتاً بدلتے چہروں کی وضاحت کا مقصد عہد جدید کے مختلف مقامات میں یسوع کے حیات کے تدریجی مراحل کو بیان کرنا ہے کہ کس طرح سے مصنفین عہد جدید نے یسوع کی ذات سے منسوب افکار کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر یسوع کی شخصیت کو نبی سے لے کر مجسم خدا بناڈالا۔ غیر اقوام سے تعلق رکھنے والے ان مصنفین عہد جدید کی اس روش کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ یسوع کی ہستی کو مشرک اقوال کے لیے زیادہ سے زیادہ قابل قبول اور پر کشش بنایا جاسکے۔ ان کے اسی طرز عمل نے یسوع کو ایک متنازع شخصیت بناڈالا۔

عہد جدید کی اولین تحاریر مقدس پولس کے خطوط ہیں اس کے بعد سب سے پہلی انجیل مرقس، بعد ازاں متی ولوقا، آخر میں یوحنا اور سب سے آخر میں اعمال کی کتاب کا نمبر آتا ہے۔ اس ترتیب سے اگر یسوع کی سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو قاری کو اس امر کا ادراک ہوتا ہے کہ مصنفین عہد جدید میں سے ہر ایک نے یسوع کو یا تو ایک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی یا پھر مقدس پولس کے مؤقف کی تائید میں یسوع کی ذات میں مزید شاخ و برگ کا اضافہ کیا جس نے بیانات میں موافقت پیدا کرنے کے بجائے انہیں مزید الجھا دیا اور یوں درست حقائق کا ادراک مزید پیچیدگی کا شکار ہو گیا۔

اس مضمون کی شروعات ہم یوحنا کی انجیل سے کریں گے جو کہ وقائع نگاری کی تاریخ (دوسری صدی کے ابتدائی سالوں میں) کے اعتبار سے نہ صرف سب سے جدید انجیل ہے (کیونکہ یہی انجیل سب سے آخر میں لکھی گئی اور یسوع کے متعلق اُن نظریات کی خبر دیتی ہے جو دوسری صدی کے اوائل میں مسیحیت میں مروج تھے) بلکہ عہد جدید میں مسیح کو پیش کرنے کے اعتبار سے بھی نئی باتوں کی خبر دیتی ہے۔ یوحنا کی انجیل بنیادی طور پر ابتدائی اناجیل متوافقہ سے مختلف بھی ہے اور ان کے مذہبی رنگ سے بھی مشابہت نہیں رکھتی۔ یوحنا کی بیان کردہ داستان میں مصلوبیت اور یسوع کی موت کے واقعات کے علاوہ بمشکل ہی ایسا مواد ملتا ہے جو دیگر اناجیل متوافقہ سے مشابہ ہو۔ یوحنا کی انجیل، خدا کی بادشاہت کے بارے میں یسوع کی بار بار دی جانے والی تعلیم کے بڑے حصے کو نظر انداز کر دیتی ہے اور اس کے بجائے ذو معنی تماثیل اور یسوع کی ایسی بے ترتیب تقاریر کو شامل کرتی ہے جس میں یسوع اپنی ذات کے بارے میں ہی وضاحتیں پیش کر رہے ہیں۔ انجیل نویس کے اس طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کی انجیل کے لکھے جانے تک یسوع کی الوہیت کا عقیدہ اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا

اس چوتھی انجیل میں ہم یسوع کو ایک کرشماتی گلیلی مرد کے بجائے ایک ایسی الوہی حیثیت رکھنے والی ہستی کے طور پر پاتے ہیں جسے اس زمین پر عارضی طور پر بے دخل کیا گیا ہو اور وہ عنقریب اپنے حقیقی گھر لوٹ جانے والا ہو۔ انجیل یوحنا کے ابتدائیہ میں موجود 252 شاندار یونانی الفاظ دراصل عہد جدید

---

[1] عبداللہ غازی۔ محقق تقابل ادیان۔ فاضل علوم اسلامیہ

کے علم الٰہیات کا منبع اور بنیاد ہیں کیونکہ بعد ازاں مسیحی کلیسیاء کی بنیاد انہی عقائد پر استوار کی گئی جن کی تعلیم یوحنا نے اپنی انجیل کی تمہید میں دی ہے۔ اس تمہیدی بیان کے مطابق اس دنیا کی تخلیق میں اپنا واحد کردار ادا کرنے والا، خدا کا ابدی اور الوہی کلمہ یسوع کی شکل میں مجسم ہوا تاکہ ان دیکھے خدا کو انسانی شکل میں ظاہر کرے۔

انجیل یوحنا کی تصنیف تک مسیحیت کی یہودی مخالفت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کی بنیادی وجہ مقدس پولس کے وہ مشرکانہ اقوام سے مستعار عقائد و نظریات تھے جو انہوں نے یسوع کا نام لے کر پیش کیے تھے چنانچہ اس انجیل میں یہودی مخالف کا عنصر دیگر اناجیل کی نسبت زیادہ نظر آتا ہے۔ اس انجیل کا مصنف یسوع کو اس کے یہودی پس منظر سے جدا کر کے ایک الگ ہستی کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ اس کی بہترین مثال یوحنا 6:49 میں نظر آتی ہے جہاں یسوع یہودیوں سے دوران مکالمہ کہتے ہیں کہ "تمہارے باپ دادا نے بیاباں میں من کھایا اور مر گئے"۔ اس مقام پر یہود کے جن آباء کے متعلق انجیل نویس نے یہ الفاظ یسوع کے منہ میں ڈالے ہیں وہ لوگ جس طرح یہودیوں کے اسلاف ہیں اسی طرح یسوع کے بھی آباء واجداد ہیں اور یسوع کا ان کے متعلق اس طرح سے لاتعلقی کا اظہار کرنا اس امر کا غماز ہے کہ اس انجیل کی تصنیف کے وقت یہودی و مسیحی مخاصمت نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔

یسوع کے متعلق یوحنا کا پیش کردہ خاکہ بعد میں آنے والی مسیحیت کا خلاصہ اور پیش خیمہ ہے۔ چرچ کے ابتدائی ہزار سالوں کے زبردست نظریاتی اختلافات اور اس کی تاریخ تقریباً انہی نظریات کے گرد گھومتی ہے جو کہ چوتھی انجیل، یوحنا کے ابتدائیہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ آرتھوڈکس کلیساء کے نظریات "ایک شخص میں دو فطرتوں کا اجتماع" ہوں یا نظریہ تثلیث و تجسیم، سب کچھ یوحنا کی اسی روحانی انجیل سے نکلتے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ مشرقی مسیحیت کے علوم الٰہیات کا بانی در حقیقت یوحنا انجیل نویس ہے۔

پولس کے خطوط یوحنا سے ایک صدی قبل لکھے گئے چنانچہ اس لحاظ سے یہ انجیل یوحنا پر تاریخی برتری رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں تحاریر میں مسیحیت کا نظریاتی ارتقاء محسوس نہیں ہوتا اور ایک قاری کو یوں گمان ہوتا ہے کہ دونوں تحاریر ایک ہی زمان و مکان سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ پولس ہی مسیحیت کا حقیقی خالق اور مغربی مسیحیت کے عقیدہ کفارہ کا بانی ہے۔ پولس کی یسوع سے اس کی حین حیات کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ،یہی وجہ ہے کہ پولس کے پاس یسوع سے نقل کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا مگر اس کے باوجود اُس (پولس) نے اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی نگاہ اس ہستی پر مرتکز کی جسے یہودی معاشرہ "المسیح" کی حیثیت سے جانتا تھا اور اسی نے دنیا میں آکر یہودی اور غیر یہودی دونوں کو ہی نجات دینی تھی۔

چنانچہ پولس نے 'المسیح' کے متعلق ایسا تصور پیش کیا جس میں المسیح باقی ماندہ انسانوں سے ماوراء تھا لیکن کلی طور پر الوہی صفات وحیثیت کا مالک نہ تھا۔ ایسا 'تصور مسیح' افسانوی مذاہب کے ہیروز کی یاد دلانے والا تھا جن کی داستانیں یونانیت زدہ رومی معاشرے میں ہر خاص وعام کی زبان پر مشہور تھیں اور ان کے مطابق اسی 'المسیح' نے آکر نجات کے خدائی منصوبے میں اپنا مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔

پولس کے مطابق آدم وہ پہلے انسان ہیں جن کی وجہ سے گناہ اور موت وجود میں آئی مگر آخری آدم (یسوع مسیح) تمام گناہگاروں کو زندگی اور نجات بخشتا ہے۔ غیر اقوام میں انجیل پہنچنے سے پہلے ہی یسوع کی آمد ثانی (جو کہ نہیں ہو سکی) کے نظریے کو پولس اور قدیم کلیساء نے فوراً قبول کر لیا تھا اور پھر لوگوں کو اسی کی تعلیم دی۔ اس (پولس) نے یہ خیال کیا کہ مشرک اقوام میں اس کی ترقی اور شہرت یہودیوں کی حسد میں اضافہ کرے گی جنہوں نے

یسوع کا بحیثیت المسیح انکار کر دیا تھا۔ پولس کے مطابق ایسے لوگ اپنے روحانی ورثے کو نہ صرف کھو چکے بلکہ (غیر اقوام کی طرف سے یسوع کو قبول کیے جانے کے بعد) مشرک اقوام کے سامنے بھی مکمل طور پر ناکام ہو گئے تھے۔ پولس سمجھتا تھا کہ اگر یہودی اس کی منادی کے نتیجے میں یسوع کو قبول کر لیتے ہیں تو وہ چھلانگیں اور دوڑ لگا کر عنقریب نجات کو حاصل کر لیں گے اور اس طرح سے تمام انسانیت بشمول یہود و غیر یہود سب مسیح کے ذریعے نجات حاصل کر لیں گے۔

پولس کو یقین تھا کہ فقط اسے ہی خدا کی طرف سے یونان، ایشیائے کوچک اور ملک شام سے شروع ہونے والے بحیرہ روم کے مشرقی اور شمالی ساحلوں پر تمام غیر اقوام میں منادی کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ وہ روم جانے اور اٹلی کو تبدیل کرتے ہوئے اسپین تک پہنچنے کا منصوبہ تیار کرتا ہے کیونکہ مشرق میں فقط اسپین ہی ایسا ملک تھا جہاں سے پولس کو کچھ امید تھی کہ مسیح کی واپسی کے عقیدے کی منادی کو وہاں بآسانی قبول کر لیا جائے گا۔

جیسا کہ مشہور ہے کہ خوبصورت خوابوں کے ساتھ کسی معاملے کا اختتام اس کے انتہاء پر پہنچنے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ پولس کبھی اسپین نہیں پہنچ سکا اور یہودی اور مسیحی تاحال دو ٹکڑوں میں تقسیم ہیں جبکہ دو ہزار سال گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک مسیح کی واپسی بھی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن مسیحی دنیا کو اب تک اس کی واپسی کا یقین ہے۔ عالم مسیحیت کے اس ایقان کی وجہ یسوع کا وہ روحانی خاکہ ہے جو ایک ایسے اجنبی اور غیر متعلقہ شخص نے کھینچا جو کبھی بھی (روحانی اور نہ ہی جسمانی طور پر) کبھی یسوع سے ملا ہی نہیں تھا۔

یسوع کے مجسم خدا سمجھنا، اس کا کفارہ اور اس کی واپسی کا ایقان وغیرہ یہ سب ایسے مور ہیں جو ہمیں "رسولوں کے اعمال" کتاب کے نصف اول میں موجود یسوع کے تیسرے خاکے کی طرف لے جاتے ہیں جہاں یسوع کی منادی وہ یہودی مسیحی (Jewish Christians) کر رہے تھے جنہوں نے اسے (یسوع کو) بذات خود دیکھا، سنا اور چھوا تھا۔ اعمال کی کتاب کی یہ تصویر پولس کے تصور نجات اور یوحنا کے الوہی حیثیت کے حامل مسیح کے خاکے سے بہت دور ہے۔ اعمال کی کتاب کا یسوع ایک کرشماتی گلیلی شخص ہے جسے خدا نے عزت و توقیر بخشی ہے۔ اعمال 2:22 کے مطابق پطرس اپنے پہلے مسیحی خطاب میں یروشلم کے ایک بڑے مجمعے کے سامنے یسوع کو خدا کے بجائے ایک عام انسان قرار دیتا ہے جس کا خدا کی طرف سے ہونا معجزوں، عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ فقط ایک نبی تھا۔

جب ہم اعمال کی کتاب کے چھٹے باب میں پہنچتے ہیں تو وہاں ہماری اس یسوع سے ملاقات ہوتی ہے جو مرقس، متی اور لوقا کی اناجیل متوافقہ میں موجود ہے مگر وہاں ان کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہے، گلیل کے دیہاتی گرد آلود راستوں پر گھومتا پھر رہا ہے اور ایک خانہ بدوش شفاء دینے والے، بھوت بھگانے والے، منادی کرنے والے شخص کے طور پر اپنے افعال سر انجام دے رہا ہے۔ نیز یہ یسوع معاشرے کے دھتکارے ہوئے افراد "کسبیوں، محصول لینے والوں اور گناہگاروں" کی نظر میں نہایت معتبر اور ان کا ممدوح ہے مگر عجیب بات ہے کہ ان افراد کا یسوع کی تعریف کرنا ہیکل کے عہدیداروں، بزرگوں اور فقہاء کی نظر میں نہایت معتوب اور مبغوض ٹھہرتا ہے۔ اس (یسوع) کے ہمدردوں نے شروع سے ہی اس کی تعظیم ایک معجزات دکھانے والے نبی کی حیثیت سے کی اور وہ اپنے لوگوں میں المسیح ابن داؤد کے نام سے معروف ہوا۔ اس کے مفید کرشماتی کارناموں کو آنے والے اس دور کے قائم مقام دیکھا گیا جس میں المسیح کی حکومت قائم ہو گی اور اندھے دیکھیں گے، بہرے سنیں گے، لنگڑے چلیں گے اور کوڑھی شفاء یاب ہونگے۔

یسوع ایک جنگجو المسیح نہ تھا اور نہ ہی سیاسی قوت حاصل کرنے کا امید تھا جیسا کہ اس کے معاصرین یہودیوں نے عبرانی نوشتوں کی تشریح کرتے ہوئے مسیح سے توقعات وابستہ کرلی تھیں، یسوع کسی بھی ایسی امید پر پورا اترنے سے قاصر ہی رہا۔ مسیحیت کے مطابق اس کے المسیح کا دعوے کرنے کا بنیادی مقصد ایک نئے عہد کی آمد کی نوید سنانا تھا اور اس نئے عہد میں یسوع کو خدا کی طرف سے یہودیوں کی قیادت کی ذمہ داری دی گئی تھی تاکہ وہ توبہ کریں اور ارض موعود کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔

ہیکل میں کبوتر فروشوں اور سوداگروں کی دکانوں کے ساتھ غلط سلوک اور ہیکل کی اعلیٰ انتظامیہ جیسا رویہ اختیار کرنا یسوع کے لیے ہر گز رواں نہ تھا کیونکہ یروشلم اُس وقت نہایت غیر مستحکم اور شورش زدہ علاقہ تھا لہٰذا اس کا ایسا طرز عمل غلط وقت پر اور غلط جگہ پر انتہائی غلط قدم اٹھانے کے مترادف تھا۔ قدس الاقداس میں پیش کیے جانے والے خالص چاندی کے سکوں کو بیچنے والوں، قربانی کے جانوروں کو بیچنے والوں اور سوداگروں کی دکانیں اور میزیں الٹادینا اس کی سنگین غلطی تھی۔ غلط مقام یروشلم کا مقدس ہیکل تھا جہاں زائرین اور مقامی لوگوں کا ایک بڑا مجمع جمع ہوتا اور کاہنوں کی طرف سے (جو کہ سردار کاہن کے حکومت کی طرف سے تقرر ہونے کے باعث رومی حکومت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے) اشتعال انگیز سرگرمیوں کے حوالے سے لوگوں کو نرمی کی تلقین کی جاتی تھی۔ نیز عید فصح کے آمدہ ایام، آزادی کی عید اور مسیح کے ظہور کی متوقع تاریخ یہ سب ایسا خطرناک وقت تھا کہ اس وقت قانونی انتظامیہ کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یسوع کی اِس کاروائی کو امن وامان کے لیے بڑا خطرہ سمجھا گیا۔ اسے یہودی قائدین کے ذریعے گرفتار کیا گیا تاہم انہوں نے اس کی موت کی ذمہ داری خود پر لینے کے بجائے اسے سیاسی انتظامیہ کے حوالے کر دیا چنانچہ یسوع کو یہودیہ کے گورنر پیلاطوس کے حکم پر رومی صلیب پر لٹکا دیا گیا۔

یہ منظر نامہ اناجیل متوافقہ کے ایک ایسے یسوع کے بارے میں پیش کیا گیا جو کرشماتی، مسیحانہ شفاء دینے والا، بھوت بھگانے والا اور خدا کی بادشاہت کی منادی کرنے والا تھا لیکن شاید ہی کسی ایک انجیل نویس نے بھی اس کے متعلق کچھ سچ لکھا ہو۔ لیکن اناجیل کی پیش کردہ یہ تصویر اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں فلسطینی یہودیت اس کے سیاسی، سماجی اور مذہبی پس منظر پر غور کیا جائے۔ ان تمام حقائق کا ادراک کرنے کا بہترین ذریعہ داوی قمران کے صحائف، پہلی صدی عیسوی کے مؤرخین فلو اور جوزیفس، قدیم بائبلی اور ربائی دستاویزات ہیں جہاں دوران مطالعہ ہمارا سامنا یسوع سے زیادہ معجزات دکھانے اور کرشماتی طاقتوں کے حاملین کرداروں سے ہوتا ہے۔ ایسے برگزیدہ افراد میں ہونی دائرہ کش، حننیاہ بن دوسا اور ارنیاس کا بیٹا یسوع سرفہرست ہیں۔

اناجیل متوافقہ کے مطابق یسوع کے کردار میں عجیب تاثیر تھی جس نے اس کے شاگردوں کے قلوب واذہان میں بھی گہرا اثر ڈالا اور اسی اثر کے باعث انہوں نے یسوع کے بعد بھی اس کے نام کے ساتھ اس کا مشن جیسا کہ شفایابی، بھوت نکالنا اور خدا کی بادشاہت کی منادی کرنا جاری رکھا۔ لیکن اب جدید دنیا میں یسوع اور اس کی آمد ثانی سے متعلقہ ان عقائد کا زوال شروع ہو گیا ہے جنہیں انجیل نویس یوحنا، پولس کے انوکھے مکاشفے اور کلیسیاء کے خودساختہ عقائد نے مل کر تشکیل دیا تھا۔

پہلی صدی عیسوی کے اختتام تک، مسیحیت یسوع اور اس کے پیغام کے حقیقی معانی کے درست ادراک کی صلاحیت تقریباً کھو چکی تھی کیونکہ پولس، یوحنا اور ان کے نظریات کی بنیاد پر بننے والی کلیسیاؤں نے اس کو 'یسوع کے بجائے' مسیح کے ایمان سے بدل دیا تھا۔ انتقال نظریات کا یہ عمل نہ

صرف مذہبی تناظر میں ہوا بلکہ اس نے تہذیبی ساخت پر بھی گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں فقط چند دہائیوں کے اندر اندر ہی تاریخی شناخت رکھنے والے یسوع کا پیغام آرامی عبرانی لسانیاتی سیاق و سباق سے بالکل کٹ گیا جس کے باعث یہودیوں اصطلاحات کو مشرکانہ معانی کا لبادہ اڑھا دیا گیا۔ اس تبدیلی کا اثر گلیلی فلسطینی جغرافیائی ترتیب پر بھی پڑا نیز یسوع اور ان کا پیغام اپنے یہودی مذہبی تشخص سے نکل کر ابتدائی طور پر یونانی بولنے والے مشرکین اور وسط ایشیاء کی دنیا کے قدیم تہذیبی پس منظر میں تبدیل ہو گیا۔ اس تبدیلی نے نہایت ہی کم وقت لیا کیونکہ کلیسیاء کی بنیاد بننے والی مٹی ابھی تک نرم اور لچکدار ہی تھی اور اسے کمہار کی پسند کے مطابق کسی بھی وضع میں بآسانی ڈھالا جا سکتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا، پولس نظریات اور انہیں تقویت دینے کے لیے منصہ شہود پر آنے والی اناجیل نے اس ضمن میں مرکزی کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں مشرک اقوام کی طرف سے ایسا چرچ وجود میں آیا جو اپنے یہودی ہونے کے احساس سے عاری ہو چکا تھا اور آگے چل کر یہ بدترین یہودی مخالف ثابت ہوا۔

دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں چرچ کی قیادت کرنے والے استادوں نے یونانی فلسفہ پر عبور حاصل کیا جیسا کہ لیونس کا ارینیاس، کلیمنٹ، اوریجن اور اسکندریہ کا اثناسیس۔ انہوں نے خدا کے لیے توبہ اور خود کو اشاعت مذہب کے لیے وقف کرتے ہوئے یسوع کی شناخت فلسفیانہ رو سے ظاہر کرتے ہوئے اُسے (یسوع کو) مافوق الفطرت ہستی، خدا کے ابدی کلمے کا تجسم اور تثلیث کا دوسرا اقنوم ہونے کی تعلیم دی۔ اس وقت چونکہ پولوسی نظریات رکھنے والی کلیسیاء اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی لہذا وہ ایسی مشرکانہ تعلیم دینے میں بالکل آزاد تھے کیونکہ اس بات کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ ان مشرکانہ تعلیمات کے خلاف کوئی یہودی آواز اٹھ سکتی ہے۔

یہ ایک یقینی سچ ہے کہ اگر مسیحیت اپنی جڑیں رومی سلطنت کے صوبوں میں سیاسی قوت کے زور پر مضبوط نہ کرتی تو آج یہ فقط یہودیت کا ایک حقیر سا فرقہ ہوتی جس کے متعلق شاید ہی کسی کو علم ہوتا۔

چرچ کا یہ طے کرنا کہ غیر یہودیوں کو بھی مسیحیت کے دامن میں لایا جا سکتا ہے، یہ دراصل غیر یہودی دنیا کے فائدے کے لیے مسیحی پیغام کے "منتقل ہونے" کی ایک منطقی کوشش تھی۔

یہودیت سے ناطہ توڑ کر غیر یہودیوں کو مسیحی بنانے کی کلیسیائی کوشش غیر یہودی دنیا کے فائدے کے نام پر دراصل اپنی افرادی قوت مضبوط کرنے کی کوشش تھی کیونکہ یہودی معاشرے سے تعلق رکھنے والے یسوع، اس کے شاگرد اور ان کی خالصتاً یہودی تعلیمات اور معاشرت کو مشرکانہ لباس پہنایا جا چکا تھا اور یہ سب جہد مسلسل ایک ایسی مشرک قوم کے ہاتھوں ہوا جو یسوع کے یہودی مذہب سے سرسری طور پر ہی واقف تھی۔ اس زبردست تبدیلی کے عمل کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں کوئی بھی یہودی ایسا نہ تھا جو کلیسیاء کی طرف سے پیش کردہ یسوع سے متعلقہ نئے نظریات پر مشتمل پیغام کو قبول کرتا کیونکہ کلیسیائی تعلیمات کے زیر اثر یسوع اور ان کا پیغام اپنی یہودی شناخت کھو کر مشرک اقوام کے افکار میں ڈھل چکا تھا جسے قبول کرنا کسی بھی مؤحد یہودی کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔

اس کے بعد چرچ کی بڑھتی ہوئی یہودی مخالفت نے مسیحی تہذیب کو یسوع کی حقیقی دنیا (یعنی یہودیت) سے مزید دور کر دیا۔ پانچویں صدی کی ابتداء میں فقط مقدس جیروم ہی ایسا شخص تھا جو پوری مسیحیت میں اکلوتا عبرانی جانتا تھا جو کہ یہودیوں کی مقدس اور مذہبی زبان تھی۔ اس نے یہودی عبادت خانوں (سینیگاگ) کے عبادت گزاروں کی تلاوت کی آوازوں کا تقابل سور کی غراہٹ اور گدھوں کے رینکنے کی آواز سے کیا۔ جیروم کے معاصر قسطنطنیہ کے

بشپ سینٹ یوحنا خرستوم نے یہودیوں کو قاتلین یسوع قرار دیتے ہوئے ان کی عبادت گاہوں (سینیگاگ) کو عصمت فروشی کے اڈے، شیطان کے قلعے اور جہنم کے گڑھے قرار دیا۔ بعد میں نے آنے والے مسیحی مخالف مارٹن لوتھر نے بھی اپنے انہی آباء کی پیروی کی۔

پروٹسٹنٹ تحریک کے نتیجے میں مسیحی اسکالرز نے کئی سو سال بعد پھر سے قدیم یہودی بائبلی لٹریچر میں دلچسپی لینا شروع کیا اور بالآخر سترہویں صدی میں مسیحیوں کو ربائی لٹریچر پڑھنے کی ترغیبات دی جانے لگیں نیز اناجیل کے گہرے مطالعے کی خاطر تلمود ان مسیحی علماء کے لیے یکدم مفید بن گئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں شروع ہونے والے عہد جدید پر تنقید کے عمل نے مسلسل ترقی کی اور اس کی بدولت کافی قدیم یہودی دستاویزات دریافت ہوئیں جیسا کہ وادی قمران کے صحائف وناگ حمادی کتب خانہ وغیرہ۔ ان دریافتوں نے تقابلی مطالعہ کے میدان کو وسعت دی اور مسیحیت کے حقیقی معنوں اوران پوشیدہ گوشوں کو دنیا کے سامنے لائیں جن پر مدت دراز سے تاریخ کی گرد جم چکی تھی۔ گذشتہ صدی کے نصف آخر میں درجنوں قدیم یہودی کتب دریافت ہو چکی ہیں جنہوں نے یسوع کی زندگی کے مزید پہلوؤں کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ ان پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

کتابیات

1. Holy Bible

2. Jesus the Jew, Geza Vermes, Fortress Press, Phildelphia, 1973

3. The Missing Jesus, Jacob Neusner, Brill Academic Publisher, Boston. 2002.

4. The Real Jesus, Then and Now, Geza Vermes, Fortress Press, Minneapolis, 2009.

واقعہ تصلیب مسیح تاریخ کے اوراق میں

عثمان احمد فاروق 1۔

قارئین عقیدہ تصلیب مسیح، مسیحیت کا انتہائی بنیادی عقیدہ ہے. مسیحی علمااس عقیدہ کی بنیادی پر مسیحیت کو لیے کھڑے ہیں اور منادی کرتے ہے کے ہر انسان دنیا میں گناہ میں لتھڑا ہوا آتا ہے یعنی جو گناہ آدم اور حوا نے کیا وہ گناہ نسل در نسل انسان میں منتقل ہو رہا ہے ہر انسان گناہ میں پیدا ہو تا ہے۔ اس گناہ کو دھونے کے لیے خدا کے بیٹے کو بھیجا انسانی گناہوں کے کفارے میں صلیب پر اپنی جان دی۔ موجودہ مسیحیت میں نجات کا اعمال سے کوئی تعلق نہیں جب تک یہ ایمان نا ہو کے یسوع "صلیب پر مرا" انکی منادی اور عمال بے فائدہ ہیں۔ اگرچہ یہ عقیدہ خود بائیبل مقدس احکام کے بر عکس ہے. جیسا کے "ہمیشہ کی زندگی" احکام پر عمل کرنے سے ہے.. تصلیب مسیح کا عقیدہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے مسیحی علما کہتے ہیں

If No Crucifixion

No Cross

No Christianity2

یعنی موجودہ مسیحیت صلیب پر کھڑی ہے.

کسی الہامی عقائد کی تشریحات اور تاویلات میں ضرور اختلاف ہو سکتا ہے مگر اس الہام کی بنیادی نوعیت اور حیثیت پر اختلاف نہیں ہو تا۔ صلیب مسیح سے پہلے کی تعلیم وہ تعلیم ہے جو یسوع نے دی... مگر صلیب کے موضوع پر لکھے گیے سب واقعات یسوع کی تعلیم نہیں بلکہ یسوع کی بابت تعلیم ہے. یا سنی سنائی باتیں چونکہ یسوع مسیح کے صلیبی واقعہ کا حواریوں میں سے کوئی بھی چشم دید گواہ نا تھا. لہذا اس دور میں بہت سی اناجیل اور صلیبی واقعات قلم بند ہوے.

یہ بات واضح ہے کہ دو سو سال بعد تک بھی ایسے مسیحی موجود تھے جنکا عقیدہ تھا کہ عیسی علیہ السلام کو صلیب نہیں چڑھایا گیا، اور آئرینیس کے مطابق یہ لوگ بدعتی تھے تو وہ انکار کر رہا تھا۔ بہت سی مختلف اناجیل لکھی گئی تھیں جن میں سے 325 عیسوی میں صرف چار کو بائبل کا حصہ قرار دیا گیا، متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ اسکے علاوہ اور بھی اناجیل ہیں مثلا شمعون کی انجیل جو شامل ہوتے ہوتے رہ گئی بائبل میں، اور تھامس کی انجیل وغیرہ جو آج بھی موجود ہیں مگر Apocrypha سمجھی جاتی ہیں یعنی بائبل کے متن کا حصہ نہیں ہیں مگر استفادہ کیا جا سکتا ہے ان سے بھی۔

یسوع کے تصلیبی واقعات کو جس نے بھی لکھا اس نے یسوع کہ بابت خود لکھا چونکہ باقی اناجیل کی تاریخی حیثیت سے خود مسیحی بھی انکار نہیں کرتے لہذا اس واقعہ تصلیب کا تاریخی پہلوں سے جایزلیا جاے گا. باوجود بائیبل میں اس موضوع پر کثیر تعداد میں تضادات ہونے کے قرآن اور بائیبل کے اندرونی

---

[1] عثمان احمد فاروق۔ ریسرچر مسلم مسیحی مکالمہ

[2] CHRISTIANITY WITHOUT THE CRUCIFIXION IS NOT CHRISTIANITYby Fr. David StavarzApril 14, 2017

شواہد اس بات پر متفق ہیں کے مسیح کی صلیب پر موت نہیں ہوئی... اس کے بعد مسیحی سکالر اس بات کی طرف توجہ مرکوز کرنے کی حتم امکان کو شیش کرتے ہیں مصلوبیت مسیحی ایک "تاریخی حقیقت" ہے یعنی تاریخ اور مورخین اور مسیحیت اس بات کی قایل ہے کے "یسوع نے صلیب پر جان دی".
مسیحی حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں. دراصل سب مسیحی یسوع کی صلیب پر موت کے قایل نہیں. ابتدائی مسیحی فرقوں میں اس بارے میں اختلاف ہیں.. اس کے علاوہ بہت سے تاریخی شواہد بھی ہیں.

جیسا کہ انجیل برنباس:

شہنشاہ زینو کے عہد میں ۴۷۸ء میں جب برناباس کے جسد خاکی کا سراغ ملا تو ان کے سینے پر انجیل برناباس کا وہ نسخہ بھی پڑا ہوا تھا جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔[1]
انجیل برنباس سے بتاتے ہیں یسوع مسیح کو صلیب نہیں ہوئی بلکہ یہوداہ کو ہوئی۔ جیسا کہ

خدا کی مدد یسوع کے لیے:

لکھا ہے خدا نے یسوع کہ مدد کو فرشتے بھیجے جنہوں نے یسوع کو اٹھالیا اور تیسرے آسمان پر فرشتوں کی صحبت میں رکھ دیا جو ابد تک خدا کی تسبیح کرتے رہیں گے[2].

یہوداہ کی شکل بدل گئی:

یہوداہ اس کمرے میں داخل ہوا میں جس میں سے یسوع کو اٹھالیا گیا تھا پس یہوداہ بولی اور چہرے میں بدل کر یسوع کے مشابہ ہو گیا. یہاں تک کے لوگوں نے اعتقاد کیا کے وہی یسوع ہے..[3]

یہوداہ مصلوب ہوا:

ناصرہ میں یہ خبر پہنچی کے یسوع جو صلیب پر مرا تھا جی اٹھا ہے.[4]

یسوع کا اپنے دوستوں میں ظاہر ہونا:

لکھا ہے کے یسوع نے خدا سے منت کی کے وہ اسکو اجازت دیں یہ اپنی والدہ اور شاگردوں کو. دیکھ کر آہیں.. تب خدا نے اپنے قریبی چاروں فرشتوں کو حکیم دیا کے یہ یسوع کو اٹھا کر اسکی ماں کے گھر لے جاہیں..[5]

یسوع نے برنباس کو انجیل لکھنے کا کہا:

[1] S.A.E., Life of St. Barnabas, A Sketch for Nurses, London, W. Knott, Holborn, n.a., p. 84

[2] انجیل برنباس: فصل نمبر 225 آیت 4-6

[3] انجیل برنباس: فصل نمبر 216 آیت 1-4

[4] اناجیل برنباس: فصل 218 آیت 7

[5] انجیل برنباس: فصل 219 آیت 7

اے برنباس تجھ پر واجب ہے کے تو میری انجیل اور دہ (حال) لکھے جو کے میری دنیا کی رہنے کی مدت میں میرے بارے میں پیش آیا. اور یہ بھی لکھ جو یہوداہ پر پیش آیا. تاکے ایمانداروں کا دھوکہ کھانا زائل ہو جائے اور ہر ایک حق کی تصدیق کرے.[1]

یسوع آسمان پر چلے گئے:

یسوع نے کہا پس میں تم سے سچ کہتا ہوں کے میں نہیں مرا بلکہ یہوداہ مرا ہے.

چاروں فرشتے یسوع کو آسمان کہ طرف اٹھالے گیے.[2]

مزید یسوع مسیح کے صلیب کے بارے میں انجیل فلپس(Gospels of Philips) سے شواہد دیکھتے ہیں. انجیل فلپس(Gospel of Philips) جو کے تیسری صدی عیسوی میں لکھی گئی اس میں موجود شواہد بھی یسوع مسیح صلیبی موت کے برعکس ہیں..

انجیل فلپس کے بارے میں لکھا ہے:

انجیل فلپس(Gospel of Philips) ہمیں عیسائیت کے بعض پہلوؤں کے بارے میں عکاسی، تخیل اور تصورات کے لئے ایک موقع فراہم کرتی ہے جو کبھی کبھی چھپے ہوئے ہیں. بے شک اس طرح کہ عکاسی ایک عظیم کام ہے..[3]

یسوع مسیح کی موت.:

جو لوگ کہتے ہیں کے استاد پہلے مرے اور پھر اوپر اٹھائے گیے، وہ غلط ہیں.. پہلے وہ اٹھالیا گیا پھر مرا...[4]

یہاں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ بلکل ہی برعکس باوجود اسکے بھی یعنی یسوع مسیح کو صلیب پر موت نہیں ہوئی.

مزید یسوع مسیح کے خاص حواری مقدس پطرس کی انجیل 70 عیسوی سے لکھی گیی.. یسوع مسیح کی صلیبی موت کے واقعات کو یوں بیان کرتی ہے.

دوپہر کا وقت تھا اور تمام یہودیہ پر تاریخی چھارہی تھی اوت. لوگ فکرمند اور کافی مضطرب تھے. کیونکہ لکھا ہے سورج مقتول کے ہوتے ہوئے ناڈوبنے پاۓ اور ان میں سے ایک نے انہیں کہا کہ اسے پت ملا سرکہ پلاو اور انہوں نے اسے ہلا کر یسوع کو پلایا. یوں وہ سب کچھ پورا کر کے اپنے گناہوں کو سروں پر لاۓ اور بہت سے لوگے چراغ لیے پھرتے تھے وہ سمجھتے تھے رات ہو گی ہے.

اور بعض لوگ گر بھی پڑے پھر خداوند نے چلا کر کہا میری قدرت میری قدرت تو. نے مجھے کیوں چھوڑ دیا.. وہ یہ کہہ کر اٹھالیا گیا..

پطرس کی انجیل فصل نمبر5:

انجیل پطرس کا یہ جملہ ہلمین اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب انجیل اربع(The Four Gospel) مطلوبہ میکملن نیویارک 1961 صفحہ 5 میں نقل کیا گیا ہے. اسٹریٹر یہ کی تاویل ہے کے یہاں مسیح سے مراد انکا خدائی وجود ہے. مگر انجیل پطرس میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے کے آسمان پر اٹھاۓ جانے کے لیے(passive voice) استعمال کیا گیا ہے خود اسٹریٹر نے یہ لفظ استعمال کیا ہے

He was taken out

یعنی صلیبی موت کی تردید کی گیی ہے۔

---

[1] انجیل برنباس: فصل نمبر 221 آیت 1-2

[2] انجیل برنباس: فصل 221 آیت 16 اور 23

[3] (Leloup, Jean-Yves. The Gospel of Philip. Rochester, Vermont: Inner Traditions. 2003. pp. 13-14)

[4] Gospel of Philip 56,15-20،Nag Hammadi Scripture،Revised translation P 165

مزید تاریخی شواہد اور ابتدائی دور کی مسیحی علماء اور بشپ مذہبی شخصیات بھی یسوع مسیح کی صلیبی موت کے قایل نہیں.

جیسا:

رومن کیتھولک چرچ نے بطور سینٹ (رسول)؟ کینن کو ترتیب دیا،

رومن کیتھولک پولی کارپ دوسری صدی عیسوی میں سیمرنا کا بشپ تھا اس نے فلپیوں کے نام ایک خط میں کاری ضرب لگائی کے مسیح کی تکلیف دہ موت صرف ایک نظر کا دھوکا تھا۔[1]

رومن کیتھولک ہپیولوٹس جو 170 عیسوی میں پیدا ہوا اور 325 عیسوی میں شہید کیا گیا جو کے پہلا پاپ مخالف تھا جو اپنی تحریروں وجہ سے یاد کیا جاتا ہے جس میں اس نے بدعات کے بارے میں لکھا

حضرت مسیح کہ قربانی کو انسانی نجات کا طریقہ بتایا گیا تھا. جو کے پولوس کی تعلیمات کہ وجہ سے وجود میں آیا. یہی وجہ ہے کہ جب تک پولوس کے حامیوں اور اسکی تعلیمات کو ماننے والوں سرکاری سرپرستی حاصل نا ہوئی تھی لوگ اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے.[2]

جسکا اعتراف انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ان الفاظ میں کیا ہے.

"ابتدائی زمانہ کے آبائے کلیسا مسیح کی تصلیب کو خدا کے غضب کا بالواسطہ ٹھنڈا کرنے کا. زریعہ نہیں گردانتے تھے[3]...

اس کے علاوہ مسیحیت کے ابتدا سے ہی متعدد افراد اور فرقے اس بات کے قائل تھے مسیح کو صلیب نہیں ہوئی بلکہ غدار یہوداہ اسکریوتی یا شمعون کرینی کو ہوئی ہے جو حضرت مسیح کی صلیب اٹھا کر صلیب گاہ تک لے گیا تھا[4]

ابتدائی دور میں (Docities) فرقے کا کہنا تھا کہ پھانسی یہواہ کرینی یا شمعون کو ہوئی ہے..[5]

اس کے بعد کے دور میں "رسولوں کی تعلیم" نامی تحریر جسکو الہامی دستاویز کی حیثیت حاصل تھی اس میں بھی حضرت مسیح کی نجات آفرین موت کا کوئی ذکر نہ تھا..[6]

محقیق نے اس بات کا بھی عتراف کرتے ہیں کے مسیح کے جی اٹھنے کا واقعہ کسی نے نہیں دیکھا.. یعنی یہ بات بھی من گھڑت ہے جی جی اٹھتے ہوے دیکھا گیا[7]....

جان ڈومینک کروسن جو عہد نامہ جدید کے عظیم سکالر اور ابتدائی مسیحیت کے مورخ ہیں کہتے ہیں

---

[1] (19981): سینٹ پولی کارپ. انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا CD 98

[2] 1998)---j): Saint Hippolytus of Rome. In Encyclopaedia Britannica CD 98(.

[3] Encyclopaedia Britannica 1962 5:634

[4] Encyclopedia Brit 14th Edition 1929 vol 3 p. 176

Encyclopaedia of religion and Ethics vol 4 P. 833

[5] The Oxford Dictionary of church 941

[6] Henery Chadwick: The early christian pegun Books 1984,P 46-47

[7] Adolf Harnack :what is Christianity P. 164

خدا نے اپنے بیٹے کو انسان کی جگہ پر قربان کیا جس کو اپنے گناہوں کی سزا دی جانی چاہئے تاکہ کچھ کرسچن یسوع سے پیار کر سکیں، لیکن خدا کی ایک فحش تصویر ہے. یہ آسمانی بیٹے کی بدسلوکی ہے، ہیں. میں اس نظریے کے ذریعہ اپنے ایمان کا اظہار نہیں کرنا چاہتا ہوں جس میں خدا نے خون کے قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے تاکہ ہمارے ساتھ موازنہ کر سکے.[1]

بائیبل کے شرآفاق کے مفسر میک لارنس کہتا ہے

کتاب المقدس کے مطابق یسوع کی موت نہیں ہوئی. بلکہ مسیح کی موت ہوئی...

اگر وہاں صرف مسیح کی صلیبی موت تک بھی بات کی گی ہوتی تو بھی قابل قبول تھا مگر واضح لکھا ہے:..

The death of Jesus no gospel

یسوع کی موت انجیل میں نہیں.[2]

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کے مسیحی حضرات میں یہ غلط فہمی ہے کے سب مسیحی فرقوں نے مسیح کی صلیبی موت کو قبول کیا جبکہ اس کے برعکس تاریخ بتاتی ہے کے کم از کم سات مسیحی فرقے اور وہ فرقے جو ابتدائی دور کے تھے وہ اس بات کو رد کرتے تھے کے یسوع کہ صلیب پر موت ہوئی اور انہوں نے اس معاملہ میں "متبادل نظریہ یعنی substitutional theory پیش کی. جیسا کہ

بیسلائڈز:

مصر میں الیگزینڈریا میں بیسلائڈز تقریبا 125-3150 .AD ابتدائی کلیسیا کے کے لوگ انکے عقیدہ کا مطابق یہ مادی جسم کے ساتھ اٹھنے کا یقین نہیں رکھتے اس لیے انکا یسوع کے جی اٹھنے کے عقیدے اور یہ ہی وجہ ہے یہ یسوع المسیح کی صلیب پر موت کا انکار کرتے ہیں انکے مطابق یسوع مسیح کی جگہ شمعون کرینی کو صلیب پر. موت ہوئی.[3]

کارپوکیٹینس:

دوسری صدی کے آغاز سے کارپیکیٹ ایک الیگزینڈرینن گنوسٹک تھے. یہ سمجھتے تھے کہ 2 پطرس اور جوڈ ابتدائی بدعات کے خلاف لکھی گئیں تھیں، اسکا ماننا تھا کہ خالق قادر مطلق خدا نہیں ہے، اور کنواری سے پیدائش کا بھی انکار کر دیا. عیسی علیہ السلام ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کیا گیا جو ابتدا سے ہی کسی خاص علم کا مالک ہو، جو عام انسانوں سے بڑھ مسیح کی حیثیت سے کسی منفرد حیثیت کا حامل ہو۔۔۔ انہوں نے یسوع مسیح کے مصلوبیت کو رد کیا کیونکہ یہ انکے نذیک ناپسندیدہ تھا..[4]

اس طرح مزید تحقیق کے بعد اس حتمی نتیجہ نہیں پہنچا جاسکتا کے یسوع مسیح کو کس چیز پر لٹکایا گیا یعنی یسوع کو "صلیب" پر لٹکایا گیا یا لکڑی پر جو کء سیدھی "بلی" کی شکل میں ہے مسیحی اس معاملے میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسا کہ

---

[1] John Dominic Crossan, Who is Jesus, p. 145-146

[2] MacLaren's Expositions, commentary of 1 Corinthians 15:3

[3] Blunt JH. Dictionary of Sects, Heresies, Ecclesiastical Parties and Schools of Religious Thought. London. Longmans Green & Co, 1891. pp67-69.

[4] Blunt JH. Op cit. pp102,103.

ایسو سکپال چرچ کے مبلغ جن کا نام Henry Dana نے انہوں نے history of cross کے 1871 کے مطالعہ کے بعد یسوع کہ پھانسی کی واحد شکل یہ پیش کی کے یسوع کو مضبوط لکڑی کی بلی پر لٹکایا گیا..[1]

یہوواہ کے گواہ ایک متحرک مسیحی فرقہ ہے. جو کہ یسوع مسیح کی صلیب پر موت کو رد کرتا ہے اس کے بر عکس یہوواہ کے گواہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کے یسوع کو گرفتار کر کے "صلیب" پر نہیں بلکہ ایک سیدھی لکڑی (Stake) پر لٹکایا گیا..[2]

یہواہ کے گواہوں کا یہ عقیدہ بائیبل مطابقت رکھتا ہے new world translation of the Bible کے مطابق یسوع مسیح کو جس پر لٹکایا گیا اس کے لیے لفظ "cross" کے بجاے "Stake" استعمال ہوا ہے... Cross ✚ دو لکڑی کو سے مل بنی ہے جبکہ stake ایک سیدی لکڑی ہوتی ہے جو cross سے میں کسی بھی طرح مماثلت نہیں رکھتا..

صلیب بت پرست مذہب میں مذہبی نشان علامت تھا اس بت پرستی کا اثر رسوخ تب بڑھا یہاں تک مقدس (symbol) نشان بھی. اگر چہ پولوس نے صلیب کو خدا کی قدرت کا نشان قرار دیا[3]. جبکہ صلیب (Cross) یسوع مسیح کی پیدائش سے صدیوں پہلے سے مذہبی نشان کے طور پر بت پرست مذاہب میں رائج تھا. یونان کے باخوس (Bacchus of Greece)، تاموز (Tammuz), بابل کے بیل (Chaldea of Bel), ناروے کا دیوتا (Oidin of Norway) وغیرہ یہ بیشتر میں چند مثالیں ہیں جن میں قدیم بت پرستوں نے خداوں کی مقدس علامت (Symbol) صلیب (Cross) تھی.[4]

قارئین ان تاریخی حقائق کہ روشنی میں یہ بات واضح ہے کے تصلیب مسیح کے متعلق دنیا مسیحیت جن میں ابتدائی دور کے مسیحی فرقے اور پہلی دوسری صدی کی مختلف مسیحی تصانیف چرچ فادر اور تاریخی بھی کافی اختلاف اور مختلف راے رکھتی ہے.. باوجود اس کے یہ بات ثابت ہے کے یسوع مسیح نے صلیب پر جان نہیں دی. یعنی مسیحی علما حتمی سچائی سے دور "ظن" کی پیروی کر رہے. خدا ہم کو حق جاننے اور قبول کرنے اور اسے دوسروں تک پہچانے کی توفیق عطا فرمائے آمین

---

[1]Henry Dana Ward, The History of the Cross, The Book Tree publ., 1871/1999, p. 52

[2]The watch tower, October 15, 1983 p 5

[3]1 کرنتھیوں 1:18

4Encyclopedia of Britannica Dictionary of Symbols,

روح اللّٰہ وکلمتہ اللّٰہ پر ایک نظر

(سہیل صدیقی)[1]

أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۔[2]

سورۃ النسا کی آیت سے عام طور پہ مسیحیت کے علمبر دار یسوع کو خدا کا کلمہ اسطور پہ ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسے انکے عقیدے کے مطابق ہے۔یعنی کلمہ ہی مجسم بدن کی صورت میں دنیا میں یسوع کی شکل میں آموجود ہوا جو کہ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔یہ ایک باطل مسیحی عقیدہ ہے جسے ثابت کرنے کے لئے اکثر قرآن کا ھی سہارا لیتے ھیں اور پھر قرآن کو جھوٹی کتاب بھی کہتے ھیں۔(نعوذ باللہ)۔الغرض مسیحیوں کو جہاں کہیں بھی ایسا لفظ ملا جسے موڑ توڑ کر یسوع کی الوہیت ثابت کرتے ہوں پلے سے باندھ لیا۔اور ستم ظریفی کی حد یہ کہ جو قرآن خود توحید کا علمبر دار ہو اور مسیح کی الوہیت کو باطل ٹھہرائے،اس سے یہ ثابت کرنے کی مزموم کوشش کرتے ہیں کہ یہ الوہیت مسیح کا داعئ ہے۔

پہلے اسکا ترجمہ مولانا مودودی سے کرتا ھوں:

"اے اہلِ کتاب، اپنے دین میں غُلُوّ نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سِوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان (کلمہ) تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔پس تم اللہ اور اسکے رسولوں پہ ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ھیں باز آجاؤ۔یہ تمھارے لیے ھی بہتر ھے۔اللہ توبس ایک ھی خدا ھے۔وہ پاک ھے اس سے کہ کوئی اسکا بیٹا ھو۔زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اسکی مِلک ھیں،اور انکی کفالت اور خبر گیری کے لیے بس وھی کافی ھے۔"

یہ ھے ترجمہ،اب پہلے اسی ترجمے سے نکات اٹھاتے ھیں کیونکہ اسی کے دو لفظوں صرف دو لفظوں سے باقی پوری آیت میں موجود پیغام کی نفی کرنے کی کوشش میں بلکہ ناکام کوشش میں یہ مسیحی لگے رہتے ھیں۔

---

[1] محترم سہیل صدیقی: فاضل علوم تقابل ادیان۔ریسرچر مسلم مسیحی مکالمہ

[2] سورۃ النسا آیت ۱۷۱

- نکتہ 1:۔ اہلِ کتاب اپنے دین میں غُلُوّ نہ کرو۔
- نکتہ 2:۔ اللہ کی طرف حق کے سوا کچھ نہ منسوب کرو۔
- نکتہ 3:۔ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم۔
- نکتہ 4:۔ اللہ کا ایک رسول اور فرمان کلمہ تھا۔
- نکتہ 5:۔ جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا۔
- نکتہ 6:۔ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔
- نکتہ 7:۔ نہ کہو کہ تین (خدا) ھیں۔
- نکتہ 8:۔ اللہ بس ایک ھے۔
- نکتہ 9:۔ اسکی کوئی اولاد بیٹا نہیں ھے۔
- نکتہ 10:۔ وہ اکیلا ھر چیز کا مالک ھے۔
- نکتہ 11:۔ ھر چیز کے لیے اللہ کافی ھے

ان نکات سے ہر بات کی واضع سمجھ آجاتی ہے جن پر ہم تفصیلی گفتگو کریں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالی کھل کر مسیحیوں کے مشرکانہ عقائد کا رد فرمارہا ہے۔

پہلے نکتہ میں ہی اللہ تعالی مسیحیوں کو غلو کرنے یعنی بے جا جھوٹ بولنے سے باز رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔ غلو انتہاء کے جھوٹ کے لیے استعمال ھوتا ھے اور یہ انتہاء کا جھوٹ بولتے ھو جو عیسیٰؑ کے لیے غلط جھوٹے عقائد رکھتے ھو۔

جب پہلی بات ہی مسیحیوں کے لیے خدا کی طرف سے سخت وعید ہو گئی تو کیا مزید اس آیت سے ان کے لیے کوئی مثبت دلیل نکلتی ہے ؟

بات یہیں ختم ہو جاتی ھے مگر اللہ، عقل والوں کے لیے کھول کر لکھتا ھے **نکتہ دو میں ارشاد ہوتا ہے کہ** اللہ کی طرف صرف حق بات منسوب کرو یعنی اپنے بے سر بے پیر کے غلط عقائد منسوب نہ کرو کہ اللہ تمھارے باطل عقائد کی طرفداری کرتا ھے، بلکہ حق بات کہو جو پہلے غلو اور آگے بیان کرتا ھے کہ مت کہو کہ اللہ تین میں سے ایک خدا ھے تثلیث کا اقنوم ھے۔ یہ حق نہیں ہے۔

نکتہ ایک کی طرح نکتہ تین میں بھی اللہ تعالی نے مسیحیوں کے تمام باطل عقائد کا رد فرمادیا ہے اور گواہی دی ہے کہ مسیح ابن مریمؑ جس سے الوہیت کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ بات ھے کھلے دل سے سمجھنے والوں کے لیے حق سچ کے متلاشیوں کے لیے اور باطل بندھن سماج و خاندان کے توڑ کے قبول کرنے والوں کے لیے۔

اب ان الفاظ کی طرف آتے ہیں جن سے مسیحی استدلال کرتے ہیں

نکتہ چار میں ھے کہ عیسیٰ ایک رسول اور اللہ کا کلمہ تھے۔

یہاں مسیحی لفظ رسول کو چھوڑ کر کلمہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بضد ہوتے ہیں کہ ہم بھی یسوع کو 'کلمہ یعنی کلام ' کہتے ہیں اور قرآن نے بھی یسوع کو خدا کا ' کلمہ ' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

ایک طرف تو مسیحی کہتے ہیں کہ یسوع اور عیسیٰؑ الگ وجود ہیں جبکہ اب یہاں سے اپنا مطلب بھی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مسیحیوں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ کلمہ اور کلام کی حقیقت کیا ہے اور قرآن اور بائبل میں کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیسی عجیب منطق ہے کہ ایک ہی آیت میں الوہیت کا اقرار ہو اور مسیحیوں کے بقول اسی میں الوہیت کا اقرار بھی ہو؟

پہلے ہم قرآن سے 'کلمۃ' کے متعلق دیکھتے ہیں۔

قرآن میں 'کلمتہ اللہ' کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کے لیے نہیں آیا بلکہ لکھا ہے "كَلِمَتُهُ" اس کی طرف سے ایک کلمہ، جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف القا کیا "أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ" یعنی اللہ نے اپنی طرف سے ایک حکم کو مریمؑ کی طرف بھیجا جس طرح باقی برگزیدہ ہستیوں کی طرف بھیجتا ہے۔ یعنی عیسیٰؑ رسول اللہ ہیں اور اللہ کا فرمان یا اللہ کا حکم ہیں۔

کلمہ کا لفظ پورے قرآن میں جہاں بھی آیا ھے تو وہ حکم خدا اور کلام کے معنوں میں آیا ھے، اور کہیں بھی اس سے ذات اللہ یا اللہ کا کوئی حصہ اقنوم نہیں لیا جا سکتا ورنہ کئی مقامات پہ کلمتہ اللہ آیا ھے تو وھاں ھر جگہ اللہ کے بیٹے بن نکل آئیں۔

مثلاً سورہ توبہ آیت 40 میں "وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا" لکھا ھے جس کے معنی ھیں کہ "اللہ کا بول تو اونچا ھے"

یہاں کلمتہ اللہ سے مراد یسوع عیسیٰ نہیں نہ ھی کلمہ مجسم ھو رھا ھے کہ بیٹا بن جائے ورنہ اس مقام پہ بھی ایک اور بیٹے کا اضافہ ہو جاے۔

اس جگہ اللہ کے بول بات کو کفار کے مقابلے میں بلند اور فائنل قرار دیا گیا ھے۔

اسی طرح سورہ الاعراف آیت 137 میں كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ۔

سے مراد معنی رب اللہ کا قول وعدہ خیر (حسنٰی) پورا ھوا ھے۔ یہاں بھی کلمت سے مراد قول وعدہ ھے۔

پھر سورہ یونس 33 میں لکھا ھے کہ "حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ" کے معنی رب کی بات (کلمت) صادق (حقت) آ گئی۔

یہاں بھی کلمہ سے مراد بات ھے۔

اسی طور سورہ انعام 115 میں۔

سورہ مومن 06 میں ھے، اور سورہ صافّات 171 میں لکھا ھے کہ "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ۔"

اپنے بھیجے ھوئے بندوں سے ھم پہلے ھی وعدہ کر چکے ھیں۔

اس مقام پہ بھی كَلِمَتُنَا سے مراد قول وعدہ ھے کوئی مجسم انسان یسوع عیسیٰ نہیں۔

اور اس جگہ خود اللہ کہہ رھا ھے کہ "ھم" نے وعدہ کیا،

اللہ وعدہ قول کا کہہ رھا ھے یہ نہیں کہ ھم نے عیسیٰ یسوع کے بدن میں تجسم کیا۔

اسی طرح کلمۃ اللہ کے الفاظ سورہ انعام 23، سورہ یونس 64، سورہ لقمان 27 و دیگر اور کلماتِ ربی کے الفاظ سورہ کہف 109 میں ھیں۔

غرض تمام قرآن میں ایسے الفاظ سے مراد معنی قول بول وعدہ کہنا کے لیے استعمال ھوئے ھیں، مگر قول بول حکم وعدہ کے مجسّم ھو کے انسانی بدن بننے کے لیے قطعی استعمال نہیں ھوئے تو کلمہ سے مسیحیوں والا کلمہ مجسم ھوا (یسوع) اور ھمارے درمیان رھا، کیسے قرآن سے اخذ کر سکتے ھیں بنا سکتے ھیں پیدا کر سکتے ھیں مجسّم کر سکتے ھیں؟؟؟

کیا یہ مسیحی زبردستی اپنے کونسلز کے ایجاد کردہ اختراعی عقائد کو قرآن میں تلاش کرتے رھیں گے قرآن کا سہارا لیتے رھیں گے؟؟

اب اب آتے ھیں نکات 5,6 کے الفاظ ”رُوحٌ مِنۡهُ“ کی طرف:

سورہ حجر آیت 29 میں اللہ فرماتا ھے حضرت آدم کی پیدائش کے ضمن میں کہ "فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ "

جب میں ان میں ""اپنی"" روح پھونک دوں گا تو تم سجدے میں گر جانا۔ ""

تو اس مقام پہ بھی روح منہ کے الفاظ ”مِن رُّوحِي“ کے طور پہ آئے ھیں تو کیا جو آدم ع میں اللہ نے اپنی روح پھونکی تو آدم بھی خدا کے بیٹے ھو گئے یسوع کی طرز پہ بلکہ یسوع سے بڑھ کے کہ آدم کی ماں بھی نہیں تھی۔

اور اسی طرح خروج 31:3 میں بضلی ایل روح اللّٰہ سے معمور تھا۔

وملأته من روح الله بالحكمة والفهم والمعرفة وكل صنعة

اور مَیں نے اُسکو حکمت اور فہم اور عِلم اور ہر طرح کی صنعت میں رُوح اللہ سے معمُور کیا ہے۔

تو بضلی ایل بھی خدا کا بیٹا تھا حقیقی یسوع کی طرز پہ؟؟

اور کہ آدم میں کسی بھی جگہ سے نہ ماں سے نہ باپ سے ازلی موروثی گناہ آیا تو آدم کیسے گناہ گار ھو گیا؟ کیا بائبل کے مطابق خدا میں گناہ تھا؟

اسی طرح اللہ نے دوسری جگہ فرمایا کہ ھر انسان میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ سورہ السجدہ ۹:۳۲۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ O

پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اور (انسانو) تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔

تو سارے انسان روح منہ کی وجہ سے خدا کے یسوع کی طرح حقیقی بیٹے ھو گئے۔؟

سوچنے والو سوچو،، ھر بات زاویے کلام کو مسیحیت کی نظر سے نہیں حق کی نظر سے پرکھو۔ ان جگھوں پہ روح منہ سے مراد جان نفس ناطقہ زندگی مراد ھے بیٹا نہیں۔

سورہ مریم آیت 17 میں ”رُوحَنَا“ سے مراد مطلب حضرت جبرائیلؑ ھیں جیسا لوقا باب 1:26 بھی بتاتا ھے کہ مریمؑ کے سامنے جبرائیل فرشتہ آیا۔ جبرائیل الملاک من اللہ

اسی طور سورہ نساء آیت 171 جس پہ بحث جاری ھے اس میں روح منہ سے مراد عربی کُلیہ کی رُو سے انسانی جان نفس زندگی ھے نا کہ خدا کی اپنی روح اور تجسّم۔

یہ ایسے ھی جیسے بائبل میں بھی کئی جگہ خدا کا گھر لکھا گیا ھے مگر اس سے مراد خدا کا حقیقی گھر نہیں لیا جاسکتا کیونکہ بائبل ھی سلیمان کی زبان سے خدا کا قول بیان کرتی ھے کہ خدا تو آسمانوں کے آسمان میں بھی نہیں سما سکتا۔

تو گھر میں کیا سمائے گا؟ یہ مجازی گھر ھے۔

بائبل میں ھی خداوند کا صندوق بھی ھے اور خدا کا پہاڑ بھی۔

اور بائبل سے ھی روح کے بارے میں بضلی ایل کے جملے کو لکھا کہ بضلی ایل بھی روح اللہ سے معمور تھا

مذید یہ کہ حزقی ایل میں خدا کہتا ھے کہ (واجعل روحی فیکم[1]) "میں اپنی روح تم میں ڈالونگا اور تم لوگ زندہ ھو جاؤ گے" اور یہ زندہ ھونے والے لاکھوں مردہ تھے۔

اور ان میں روح منہ کی طرز پہ خدا اپنی روح ڈال کے زندہ کررھا ھے تو یہ لاکھوں مردے بھی یسوع کی طرز پہ حقیقی خدا کے بیٹے ھو گئے پھر تو قبول ھے اپنی ھی بائبل سے گواھی اور یسوع کے برابر لاکھوں روح ڈلے ھوئے اور روح شدہ زندے۔؟

مسیحیوں سے درخواست ہے کہ کم از کم اب بضلی ایل کو ہی یسوع کی طرح خدا کا بیٹا مان لیں۔

یسوع عیسٰی ع کو کلمہ کہنا ایسے ھی ھے کہ عیسٰیؑ کی ولادت کا سبب کلمہ "کن" بنا اس لیے عربی اسلوب کی وجہ سے عیسٰیؑ "وکلمہ" کہا گیا۔

بائبل میں لفظ کلمہ کئی مقامات پہ آیا ھے اور اس سے مراد حکم خدا اور بیان قول کلام خدا لیا گیا ھے۔

زبور میں لکھا ھے "آسمان خدا کے کلام سے بنا ھے" اور عربی میں ھے: بکلمة الرب صنعت[2]

یعنی کلمہ سے آسمان اور سارا لشکر بنا ھے تو آسمان اور سارا لشکر بھی یسوع کے طور خدا کے بیٹے ھیں؟

جب بائبل سے ہی اس دعوے کی نفی ہو جاتی ہے تو قرآن سے دلیل لانے کا کیا مطلب ہے؟

ایک اور مثال لوقا سے جہاں لکھا ھے "اسوقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا پہ نازل ھوا"[3].

عربی میں ھے "كلمة الله على يوحنا بن زكريا" تو کلمہ سے مراد عہد جدید میں بھی کلام قول حکم ھی ھے بیٹا تجسم یسوع نہیں۔

اعمال 4:31، اعمال 6:2۔ ان تمام مقامات پہ انگریزی میں بھی ورڈز لکھا ھے ورڈز آف گاڈ، سن آف گاڈ نہیں لکھا۔

يتكلمون بكلام الله بمجاهرة. Then they preached the word of God with boldness.

نحن كلمة الله ونخدم.. The word of God in order to wait on tables.

وَبِكَلِمَةٍ مِنْهُ أَيْضاً، دُمِّرَ الْعَالَمُ الَّذِي كَانَ مَوْجُوداً فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ، إِذْ فَاضَ الْمَاءُ عَلَيْهِ.

---

[1] حزقی ایل 37:14

[2] زبور 33:6

[3] لوقا 2:3

خُدا کے کلام کے ذریعہ سے آسمان قدیم سے موجُود ہیں اور زمین پانی سے بنی اور پانی میں قائم ہے۔اِنہی کے ذریعہ سے اُس زمانہ کی دُنیا ڈوب کر ہلاک ہُوئی۔[1]

اگر مسیحی حضرات کے اُسی اصول اور منطق کو مان لیا جائے تو اُسی اصول کے تحت آسمان و زمین کو کلمتہ منہ کہنے کی وجہ سے خدا کا کلام اور خدا ماننا چاہیے۔ لیکن یہاں پر جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے خدا کے کلام کے ذریعے سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

لیکن قرآن مجید کے اسی لفظ لفظ کو کھینچ تان کر کلمتہ اللہ بنانا اور پھر اسے خدا کہنا خود انہی کے اصول کے مطابق بھی درست نہیں۔تو پھر انکے اس دعوے کو کیونکر مان لیا جائے۔

یہ تو تھی بحث لفظ **کلمہ و روح منہ** پر جو کہ خود بائبل سے مسیحیوں کے دعوے کو جھٹلاتی ھے۔

اب مسیحیوں کو تھوڑا سوچا اور غور کرنا چاہیے کہ اس ایک ھی آیت 171 میں ایک ھی وقت میں اللّٰہ دو طرح کی تعلیم کیوں دے گا؟؟ایک طرف اقرار عیسٰی کے بیٹا ھونے کا دوسری طرف انکار کہ کوئی بھی بیٹا نہیں ھے۔ایک طرف عیسائیوں کی بھی ھاں میں ھاں ملائے اللّٰہ اور دوسری طرف مسلمانوں کے لیے بھی ھاں ھو۔؟تو یقیناً قرآن مسیحیت کے حق میں نہیں مخالفت میں اور سچائی کی تعلیم دے رھا ھے۔

نکتہ سات بتاتا ھے کہ نہ کہو کہ اللّٰہ تین میں سے ھے باز آ جاؤ۔

تو یہ قول قرآن کا تو مسیحیت کے اور اسکے عقیدے کا کھلم کھلا رد ھے مخالف ھے مسترد کرتا ھے۔

مسیحیت کہتی ھے کہ خدا تین میں سے ایک ھے تین اقانیم میں سے ایک اقنوم ھے مگر اللّٰہ کہتا ھے قرآن میں کہ یہ جھوٹ ھے غلط ھے۔تو اللّٰہ کا یہ کہنا کئی اور مقامات پہ بھی ھے اور اسی وجہ سے مسیحیوں کی تاویل غلط جھوٹی اور قرآن پہ بہتان ھے کہ قرآن کلمہ اور روح منہ سے مراد یسوع کو حقیقی بیٹا اور کلمہ جو مجسّم ھوا قرار دیتا ھے۔یہ نکتہ سات کی روشنی میں فاسد تاویل ھے مسیحیت کی۔

اور نکتہ آٹھ بتاتا ھے کہ اللّٰہ بس ایک ھے۔

یعنی نہ کوئی دوسرا اقنوم بیٹا نہ تیسرا اقنوم روح۔

بلکہ اللّٰہ صرف ایک ھی ھے اسکا کوئی شریک نہیں اور اس قول کے اقرار سے یہ ثابت ھے کہ کلمہ اور روح منہ سے صرف باطل کی سوچ ھی بنتی ھے کہ عیسٰی کلام ھیں اور اللّٰہ کی روح ھیں جو بدنی صورت میں دنیا میں رھے۔

نکتہ نو تو صراحت سے کہتا ھے کہ یہ تم مسیحیوں کا باطل باطل اور باطل عقیدہ ھے کہ عیسٰی یسوع قرآن کے مطابق خدا کے بیٹے بہ صورت کلمہ روح منہ ھیں۔

اگر اے مسیحیوں تمھارا عقیدہ قول سچا ھوتا تو قرآن اس بات کی تکذیب کیوں کرتا کہ کلمہ سے مراد یسوع ھی ھیں خدا کے بیٹے کے بطور۔نہیں نہیں یہ قطعاً بنائے ھوئی زبردستی کے عقائد ھیں۔

---

[1] پطرس ۳:٦

نکتہ دس اور گیارہ خلاصہ اور حاصلِ کلام یہ ہے آیت 171 کا کہ اللّٰہ اکیلا ہی ہر چیز کا مالک ہے اسے کسی طور قطعاً ضرورت نہیں کہ وہ کسی ذات کو ساجھی بنائے یا بیٹا بنائے۔

جب اللّٰہ ہر چیز زمین آسمان چرند پرند درند حشرات پانی دریا سمندر پہاڑ صحرا ہر ہر چیز اکیلا بنا سکتا ہے انسان جن تک، تو پھر کیا ضرورت کہ کسی بیٹے کو بنائے حصدار بنائے؟ جب اللّٰہ ہر چیز پہ قادر ہے سزا جزا دیتا ہے تو انصاف کیوں نہیں کر سکتا۔؟ عدالت کیوں نہیں کر سکتا؟ کیا انصاف کرنے سے معذور ہے اللّٰہ۔؟؟ انصاف کرنے کے لیے بیٹا بنائے گا اور خود کو قدرت والا مکمل خدا بھی کہے گا؟؟ واہ۔ اور سارے کام اکیلا کرے گا اور انصاف بیٹے سے کروائے گا؟؟ یا خود بیٹا بن کے عدالت کرے گا؟؟ یہ کونسا انوکھا طریقہ ہے؟ کیا شرم آتی ہے خدا کو انصاف کرتے۔ یا انصاف کرنے عدالت کرنے کی صلاحیت نہیں ہمّت نہیں مسیحیت کے خدا میں؟؟

اسی لیے اللّٰہ کہتا ہے کہ میرا کوئی ساجھی نہیں اور پاک ہے اللّٰہ اس بات سے کہ کوئی اسکا بیٹا ہو۔ اور اللّٰہ قرآن میں کہتا ہے اسی آیت 171 میں کہ وہ ہی کافی ہے۔ یہ فائنل سچ ہے کہ جب میں اللّٰہ کافی ہوں ہر کام کے لیے بنانے کے لیے تو کیا ضرورت اللّٰہ کو مسیحی عقیدے کے مطابق بیٹا بنانے یا تجسم کرنے کی؟؟ اس لیے اے مسیحیوں سن لو قرآن کی آیات کو اپنی بائبل کی طرح بگاڑنے کی کوشش کرنے والو کہ تمھارا کلمہ اور روح منہ سے یسوع کو ثابت کرنا اور بیٹا بنانا مکمل طور پر باطل دجل اور فریب کا کام ہے

◆-----◆ ◆-----◆ ◆-----◆
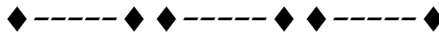
مطالعہ تقابل ادیان اور تلاش حق

(اویس اختر)[1]

ہماری تہذیب میں لاتعداد مذاہب اور اخلاقی نظام موجود ہیں جن میں مسیحیت، اسلام اور یہودیت پیروکاروں کی تعداد کے لحاظ سے بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہیں. انسان کو فطرتاً اپنی پیدائش کے مقصد سے آگہی درکار ہے اور وہ اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرنے کے لیے اپنے خالق کی پہچان کا خواہاں ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ مذہب انسانی تاریخ کے بیچوں و بیچ کھڑا نظر آتا ہے۔ یہاں ایک بات کہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر عام گفتگو میں لفظ دین و مذہب ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے، دین ایک اسلامی اصطلاح ہے جس سے مراد جامع نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے. دین ہمارے تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہے اور انسان کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کا نام ہے جیسے عقائد و عبادات، معاشیات، اخلاقیات، معاشرت، سیاسیات وغیرہ۔ جب بے شمار ادیان میں سے ہر ایک اس دعویٰ کے ساتھ موجود ہو کہ سچائی کی امانت کا بار گراں تنہا اس کے کاندھوں پر ہے تو حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے مذاہب عالم کا علم و مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے تاکہ آفاقی سچائیوں سے محرومی مقدر نہ بن جائے. مطالعہ مذاہب کی بنیاد اس اصول پر ایستادہ ہے کہ سچائی تلاش کرنے سے ہاتھ آتی ہے اور جہالت اس مفروضہ اطمینان کا نام ہے کہ انسان اپنے سوا ہر حال میں دوسروں کو باطل اور خود کو حق پر سمجھے اور اپنے خیالات پر چھایا جمود توڑنے کی فکر نہ کرے.

مطالعہ مذاہب کا مطمع نظر یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کا غیر جانبدارانہ اور غیر تعصبانہ موازنہ کرنے کے بعد ان میں موجود خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے لیکن اگر کوئی خامی سامنے آتی ہے تو اسکا دلیل و برھان سے رد کیا جائے تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو سکے. اس طرح سے کسی بھی مذہب کی خوبیوں، خامیوں، عبادات، رسوم و رواج، اسکی قدر و قیمت واضح ہو جاتی ہے اور سچائی سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد باطل کی زنجیروں سے آزادی حاصل کرنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

تقابل ادیان ایک مشکل کام ہے کیونکہ ایک انسان جس مذہب سے تعلق رکھتا ہے اس پر رہتے ہوئے انصاف کی نظروں سے مقابل ادیان کو دیکھنا گویا ہتھیلی پر آگ رکھنے کے مترادف ہے. اپنے اپنے ادیان کے لیے اس کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور تنگ نظری عام مرض شمار ہوتے ہیں. ایک مذہب کا پیرو جب کسی دوسرے مذہب پر تنقیدی نظر ڈالتا ہے تو اسے ہمیشہ اس کے تاریک پہلو ہی نظر آتے ہیں اور روشن پہلو کو یا تو وہ دیکھتا ہی نہیں یا دانستہ نظر انداز کرتا ہے. لہذا اس کی تنقید کا مقصد تلاش حق نہیں بلکہ اس عقیدہ کو جس پر وہ تحقیق سے پہلے ہی کاربند تھا، کو درست ثابت کرنا ہوتا ہے،

---

[1] محترم اویس اختر فاضل علوم تقابل ادیان

لہذا اس انداز فکر سے مثبت نتیجہ اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا، لیکن تقابل کا مقصد تلاش حق اور سچائی سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو انسان کو منصفانہ طریقہ کار استعمال کرنا چاہیئے، پہلے سے طے شدہ نتائج کے پس منظر میں دوسرے مذہب کے بارے میں ایک مخالفانہ رائے قائم کرنا اور پھر اس کا مطالعہ اس انداز سے کرنا کہ اسکی خوبیوں پر پردہ ڈال کر اسکی خامیوں کو اجاگر کرنا تاکہ اپنے مذہب کی برتری ثابت کی جائے، اس قسم کی بددیانتی اور فریب کاری نہ کسی مذہب کی برتری ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے کا سبب بن سکتی ہے اور نہ ہی یہ طریقہ کار کسی بھی پیروان دین کے لیئے باعث فخر ہو سکتا ہے.

اگر کوئی انسان غلط انداز سے مطالعہ کر کے دین بدل بھی لیتا ہے تو تب بھی یہ رائے کی غلطی اور فریب خوردگی ہے کیونکہ اس طریقے سے سچائی تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے. لہذا کسی بھی مذہب کا تقابل کرتے ہوئے ایک غیر جانبدارانہ اور منصفانہ طریقہ کار استعمال کرتے ہوئے ہی مثبت نتائج کی امید رکھی جا سکتی ہے اور سچائی تک رسائی کا یہی عمدہ طریقہ کار ہے۔

اس طریقہ کار یا اصول وضوابط کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

1. یہ طریقہ کار کسی صورت بھی درست نہیں کہ ایک مذہب کی تعلیم کو درست ثابت کرنے کے لیئے کسی دوسرے مذہب کی تعلیم کو کلیۃً غلط ثابت کیا جائے. دو مذاہب بیک وقت بالکل ایک جیسے نظریے پر بھی متفق ہو سکتے ہیں لہذا ایسا طریقہ کار استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔
2. ایسا کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ ایک مذہب میں حق وصداقت کے موجود ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے مذہب میں اس کی غیر موجودگی لازم آئے. یہ سوچ کہ حق صرف میرے ہی مذہب میں پایا جاتا ہے اور کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا درست نہیں اور نہ ہی یہ کسی بھی دوسرے مذہب میں نقص کی دلیل ہے. لہذا کسی بھی مذہب کے روشن پہلوؤں کا کھلم کھلا اعتراف کیا جانا چاہیئے۔ ایک مذہب اعتقادی لحاظ سے غلط ہو سکتا ہے لیکن امکان ہے کہ وہ سماجی طور پر بہت عمدہ روایات کا امین ہو. اسی طرح بسا اوقات صحیح العقیدہ مذہب کے فرد کے اعمال بھی سماجی اعتبار سے غیر مستحسن ہو سکتے ہیں. یہ بات بطور اصول اپنائی جا سکتی ہے کہ لازم نہیں، غلط عقیدہ سماجی سطح پر کسی انسان کو مذموم افعال پر مستعد کرے یا صحیح عقیدہ کسی انسان کو صحیح افعال پر. دراصل کسی بھی فرد کے افعال میں اس کے ذاتی حالات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے. ایک بت پرست اچھا انسان ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مومن بدکردار بھی. پس یہ بات بھی بطور اصول اپنائی جا سکتی ہے کہ عقیدہ کی درستگی گو کہ معاشرہ پر اچھے اور عمدہ اثرات ڈالتی ہے لیکن پھر بھی انفرادی غلط یا صحیح اعمال کو کسی بھی مذہب سے جوڑ دینا محمود نہیں بلکہ مذموم ہے.
3. کسی بھی قسم کی تحقیق میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ تحقیق بلا تعصب اور غیر جانبداری سے کی جائے، مزید براں کسی بھی متعصب مخالف کی تصانیف واطاعت سے پرہیز کیا جائے وگرنہ کسی مثبت نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہو جاتا ہے، اور انسان اس مذہب کے اصلی چہرہ کو دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بیزار ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے اس مذہب کی وہ شکل دیکھی ہوتی ہے جو اسے دکھائی جاتی ہے. لہذا کسی بھی مذہب کو اس کے اپنے اصولوں کے مطابق دیکھا جانا چاہیئے. مطالعہ اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے کرنا چاہیئے کہ وہ مذہب کس حد تک عقل سلیم کے تقاضوں کے مطابق ہے تاکہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نا چھوٹے۔ ایسے میں حق وباطل کا فیصلہ کرنا نہایت ہی آسان کام ہو گا۔

4. تقابل ادیان کے کسی بھی طالب علم کو پیشگی یہ فیصلہ کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہیئے کہ اس کے اپنے مذہب کے علاوہ باقی تمام مذاہب حق سے خالی ہیں، ایسا انسان صرف اور صرف اپنے آپ پر ظلم کرتا اور اور اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہا ہوتا ہے، ہمارے سامنے حق و باطل سے ملے جلے مذاہب بھی آتے ہیں اور یہ ہمارا کام ہے کہ حق و باطل میں تمیز کرتے ہوئے حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نا ہونے دیا جائے، اور باطل کا برھان سے رد کیا جائے اور انصاف کا دامن کسی صورت بھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

اس طرز مطالعہ کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی صلاحیتوں اور علم میں وسعت، رواداری اور تحمل مزاجی پیدا ہوتی ہے اور اختلافی نظریات کو برداشت کرنے کی صلاحیت کو مزید جلا ملتی ہے. مختلف مذاہب کا آپس میں تعلق اور ان کے درمیان مشترک تعلیمات کا پتا چلتا ہے. اس طرح سے ہم مختلف مذاہب میں پائے جانے والی خوبیوں سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ہمیں یہ علم ہو جائے گا کہ باطل کا طریقہ کار کیا رہا ہے یعنی باطل کیسے پھلتا پھولتا ہے اور حق میں باطل کی ملاوٹ کیسے، کیونکر اور کس طرح سے ہوتی ہے. متعلم بخوبی جان لیتا ہے کہ اہل حق نے باطل کی پہچان کرنے اور اسکا برھان سے رد کرنے کے کیا طریقہ کار اور اصول وضوابط متعین کیئے ہیں۔

مزید یہ کہ تقابل سے نا صرف ہمیں تاریخی طور پر بھی مذاہب سے متعلق معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ خود اپنے دین کی بابت اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم واستدلال کی نئی راہیں میسر آتی ہیں اور مذاہب کو عقلی معیار پر پرکھتے ہوئے عقائد کو مستحکم بنانے کا موقع ملتا ہے. الغرض تقابل جتنا ہی مشکل ہے اتنا ہی لازم بھی ہے، اس کے فوائد کا حاصل یہ ہے کہ حق و باطل میں تمیز کرتے ہوتے حق کو قبول کر کے اسکے مطابق زندگی گزاری جائے۔ خداوند رب العالمین ہم سب کو برکت وہدایت دے اور ان لوگوں کے راستے پر چلائے جن لوگوں پر انہوں نے انعام کیا۔ آمین

◆-----◆ ◆-----◆ ◆-----◆
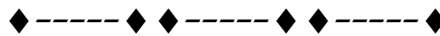
کیا امام ابن کثیر نے مختار ثقفی کی تعریف کی؟

(مولانا محمد احمد رضا رضوی)[1]

تمام حمد و ثناء تعریف و توصیف اس خالق کائنات کیلئے ہے کہ کل جہان جسکے لفظ کن کی تخلیق ھے۔ درود و سلام ہو اس نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جو باعث تخلیق عالم ہے اور آپ کی آل واصحاب پر کہ جنکی اقتداء فلاح و کامیابی کا ذریعہ ھے۔

جس طرح زمانہ جدید ٹیکنالوجی کی طرف جارہا ھے اسی طرح اسلام کو جدید قسم کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑرہا ھے۔ فی زمانہ دین اسلام کو انجینئر محمد علی مرزا کی صورت میں جدید فتنے کا سامنا ہے جو کہ یوٹیوب پر بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اکرام، اولیاء عظام اور اکابرین امت کی جانب غلط باتیں منسوب کرکے اپنے اسلام مخالف منگھڑت عقائد کی تشہیر کرتے ہوئے نظر آتا ھے۔ اور افسوس کے ساتھ انجینئر محمد علی مرزا کے فتنے کی زد میں ہماری نواجوان نسل آرہی ہے جو کہ آنے والے وقت میں ہمارے دین وملک کا سرمایہ ہے۔

انجینئر محمد علی مرزا کے مذموم عزائم کی زنجیر کی کڑیوں میں سے ایک کڑی امام ابن کثیر پر الزام ھے کہ انھوں نے جھوٹے مدعی نبوت مختار ثقفی کی تعریف کی ھے۔

سب سے پہلے ہم یوٹیوب کے حوالے سے انجینئر محمد علی مرزا کا دعویٰ پیش کریں گے۔ اسکے بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب سے اس دعوے کا بطلان ثابت کریں۔ قارئین کی مزید تسلی و تشفی کیلئے سنی و شیعہ کتب ایسے دلائل سامنے رکھیں گے کہ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ مختار ثقفی بہت بڑا کذاب ملعون اور مدعی نبوت تھا۔

مرزا کا امام ابن کثیر پر الزام

انجینئر محمد علی مرزا اپنے ایک بیان میں امام ابن کثیر پر بہتان لگاتے ہوئے کہتا ھے کہ

"ابن کثیر نے بھی تعریف کی ہے قاتلین حسین کو قتل کرنے پر مختار ثقفی کی اور کہا کہ اس نے مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کیے ہیں"[2]

---

[1] محمد احمد رضا رضوی، فاضل علوم اسلامیہ۔ منتظم خیر البشر ٹرسٹ

[2] مسئلہ نمبر 157 وقت 01:55 تا 02:16

انجینئر محمد علی مرزا کے اس الزام کا جواب دینے سے قبل میں سوال کروں گا اور اسکا جواب قارئین پر چھوڑ دوں گا کہ یہ وہی مرزا جہلمی ھے جو صحابہؓ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر ان پر ہرزہ سرائی کرتا ھے لیکن جب مختار ثقفی جو کہ ایک متنازع شخصیت ھے اور اکثر کے نزدیک کذاب ھے اسکے لئے اتنا نرم گوشہ کیوں ھے؟

انجینئر محمد علی مرزا کی ایک متنازع شخصیت سے محبت اسکی اصل کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

مختار ثقفی امام ابن کثیر کی نظر میں:

انجینیئر محمد علی مرزا نے امام ابن کثیر پر الزام لگایا کہ انھوں نے مختار ثقفی کی تعریف کی ھے جبکہ البدایہ والنہایہ اٹھا کر دیکھیں تو معاملہ اسکے برعکس نظر آتا ھے۔

مختار ثقفی ناصبی تھا:

حافظ ابن کثیر مختار بن ابی عبید ثقفی کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

شروع شروع میں یہ (مختار ثقفی) ناصبی تھا اور حضرت علی سے شدید بغض رکھتا تھا۔[1]

سوال یہ ھے کہ حضرت علیؓ سے شدید بغض رکھنے والا ناصبی اچانک سے اہل بیت کا محب کیسے بن گیا. ان شاءاللہ اگلے حوالے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مختار ثقفی کے یوٹرن کی اصلی وجہ کیا تھی.

مختار ثقفی کی امام حسن کو قید کروانے کی سازش:

قاتلین حسین کا بدلہ لینا ایک بہانہ تھا اصل میں مختار ثقفی دولت شہرت کا بھوکا انسان تھا اور حالات کے اتراؤ چرھاؤ کو خوب جانتا تھا یہاں تک کہ جسکا پلڑا بھاری ہوا جسکی جانب اسکو اپنا نفع نظر آتا اپنا ووٹ بھی اسی جانب کر دیتا تھا۔

صلح امام حسن کے بعد جب امام حسن کو اپنے لشکر سے بے وفائی کا خدشہ ہوا تو امام حسن ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ مدائن کے طرف چلے گئے۔ تو اسوقت مدائن کا نائب مختار ثقفی کا چچا تھا۔ مختار ثقفی بھی اس وقت مدائن میں ہی موجود تھا تو اس نے اپنے چچا سے کہا کہ اگر میں امام حسن کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ کے پاس بھیج دوں تو حضرت امیر معاویہ کے نزدیک یہ میرا بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ: مترجم نفیس اکیڈمی: جلد 8 ص 361

اور جب حضرت حسن نے انکی خیانت کو محسوس کیا تو آپ اپنے لشکر کو چھوڑ کر ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ مدائن کی طرف تشریف لے آئے تو مختار ثقفی نے اپنے چچا سے کہا اگر میں حضرت حسن کو پکڑ کر حضرت امیر معاویہ کے پاس بھیج دوں تو ہمیشہ کیلئے اسکے نزدیک میرا ایک کارنامہ ہو گا۔ اسکے چچا نے اسے کہا اے میرے بھتیجے تو نے مجھے بہت برا مشورہ دیا۔[1]

دوستوں اس حوالے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ مختار ثقفی ایک لالچی انسان تھا اور اسکے دل میں ہر گز اہل بیت کیلئے محبت نہیں تھی۔ مختار ثقفی بعد میں جب کوفہ کی مسند پر متمکن ہوا تو چونکہ بہت زیادہ عوام یزیدیوں کے فعل قبیح سے نالاں تھی تو لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے قاتلین حسین کو قاتل کیا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ھے کہ ایک شخص جو حضرت علی و امام حسن کا اتنا سخت دشمن ہو اور پھر اچانک سے انکی اہل بیت کیلئے محبت کے جذبات پروان چڑھ جاتا۔

مختار ثقفی کا صحابی رسول ﷺ کو گالیاں نکالنا:

مختار ثقفی حضرت علی و امام حسن کا ہی دشمن نہیں بلکہ صحابہ رسول حضرت عبد اللہ ابن زبیر کو بھی گالیاں نکالا کرتا تھا

چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

مختار ثقفی ظاہری طور پر حضرت ابن زبیر کی تعریف کرتا تھا جبکہ باطن میں انکو گالیاں نکالتا تھا۔[2]

نزول وحی کا دعویٰ:

اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ھے کہ وحی کا نزول انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ھے کوئی بھی غیر نبی اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی کا نزول ہوتا ھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

جبکہ مختار ثقفی کا دعویٰ تھا کہ معاذ اللہ اس پر وحی کا نزول ہوتا ھے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

پھر مختار کی حکومت یوں ختم ہوئی کہ کبھی تھی ہی نہیں اور اسی طرح دیگر حکومتیں بھی ختم ہو گئیں اور مسلمان انکے زوال سے خوش ہو گئے اس لئے کہ وہ شخص فی نفسہ سچا نہیں تھا بلکہ جھوٹا تھا۔ اور اسکا خیال تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ اس پر وحی آتی ھے۔[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ: مترجم نفیس اکیڈمی: جلد 8 ص 361

[2] البدایہ والنہایہ: مترجم نفیس اکیڈمی: جلد 8 ص 362

[3] البدایہ والنہایہ: مترجم نفیس اکیڈمی: جلد 8 ص 363

اگرچہ امام ابن کثیر نے مختار کذاب کے حالات میں اور بھی اسکے سیاہ کارنامے ذکر کیے ہیں۔ لیکن انجینئر محمد علی مرزا کے الزام کے رفع ہونے کیلئے مزکورہ بالا حوالہ جات ہی کافی ہیں۔

اب میرا قارئین سے سوال ھے کہ جو شخص (ابن کثیر) مختار ثقفی کو ناصبی، امام حسن کا دشمن، صحابی رسول کو گالیاں دینے والا، نزول وحی کا دعویٰ کرنے والا لکھے وہ اس شخص کی کیسے تعریف کر سکتا ھے۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ انجینئر محمد علی مرزا کا حافظ ابن کثیر پر صریح بہتان تھا۔ اسی طریقے کے ساتھ مرزا جہلمی اکابرین امت کی جانب غلط باتیں منسوب کر کے امت مسلمہ دجل دیتا ھے اللہ اسکے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائیں آمین۔

مختار ثقفی اہل سنت کی نظر میں:

مختار ثقفی کے ایمان و کفر کا مسئلہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے تو محدّثین و موّرخین اور جمہور علمائے کرام نے مختار ثقفی بن ابو عبید کے بارے کفر وارتداد کا ہی ذکر کیا ہے۔

1. امام المحدثین امامِ ترمذی اپنی سنن میں حضرتِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ پاک ذکر کرتے ہیں

عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثقيف كذاب ومبير: يقال: الكذاب المختار بن أبي عبيد، والمبير: الحجاج بن يوسف

ترجمہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثقیف میں ایک بہت بڑا جھوٹا ہوگا اور ایک ظالم ہوگا۔ امامِ ترمذی نے کذاب و مبیر صفات کے ناموں کی وضاحت فرما کر افراد کی تعیین بھی کر دی: کذاب مختار بن ابو عبید ہے اور مبیر سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔[1]

2. صحیح مسلم میں حدیثِ پاک کے کلمات میں "کذّاب و مُبیر" پر حضرتِ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے کو شرح النووی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے

وقولها في الكذاب فرأيناه تعني به المحتار بن أبي عبيد الثقفي كان شديد الكذب ومن أقبحه ادعى أن جبريل صلى الله عليه وسلم يأتيه واتفق العلماء على أن المراد بالكذاب هنا المختار بن أبي عبيد وبالمبير الحجاج بن يوسف

ترجمہ۔ مختار بن ابو عبید ثقفی بہت جھوٹا تھا اور اس کا سب سے بڑا جھوٹ یہ تھا کہ اس نے دعویٰ کیا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں۔ اور علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کذّاب سے مراد مختار بن ابو عبید ہیں اور مبیر سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔[2]

3. فنّ اسمائے رجال کے امام ذہبی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں مختار ثقفی کے بارے تحریر کرتے ہیں کہ

---

[1] سنن الترمذی: رقم الحدیث 2220

[2] شرح صحیح مسلم للنووی: باب ذکر کذاب ثقیف

المختار بن أبي عبيد الثقفي الكذاب.لا ينبغي أن يروي عنه شئ،لانه ضال مضل.كان يزعم أن جبرائيل عليه السلام ينزل عليه.وهو شر من الحجاج أو مثله

ترجمہ۔مختار بن ابی عبید ثقفی بہت بڑا کذاب شخص تھا،اس سے کوئی بھی شے روایت کرنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ وہ گمراہ، گمراہ گر تھا،اس کا گمان یہ تھا کہ جنابِ جبرائیل علیہ السلام اس پر نازل ہوتے تھے اور یہ شخص حجاج بن یوسف سے شر میں بڑھ کر تھا یا پھر اس جیسا تھا۔[1]

حضرتِ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں تحریر فرمایا ہے کہ

وفي أيام ابن الزبير كان خروج المختار الكذاب الذي ادعى النبوة فجهز ابن الزبير لقتاله إلى أن ظفر به في سنة سبع وستين وقتله لعنه الله

یعنی حضرتِ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ حیات میں ہی مختار ثقفی نے خروج کیا تھا، جس نے نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا تو حضرتِ ابنِ زبیر نے اسے قتل کرنے کے لیے لشکر تیار کیا جو کہ سڑسٹھ (67) ہجری اسے قتل کرنے کامیاب ہوا۔اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔[2]

اہل سنت کی مندرجہ بالا کتب کے حوالہ جات سے بھی ثابت ہوا کہ مختار ثقفی بہت بڑا کذاب اور جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

مختار ثقفی اہل تشیع کی نظر میں:

جسطرح اہل سنت کے ہاں مختار ثقفی کا کفر وارتداد ثابت ہوتاھے اسی طریقے سے اہل تشیع کے ہاں بھی ہمیں ایسے حوالہ جات مل جاتے ہیں جس نے مختار ثقفی کا کفر وارتداد ثابت ہوتاھے۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اہل تشیع کے ہاں عقیدہ امامت کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ھے اور اہل تشیع کے مطابق جو بارہ اماموں میں سے کسی امام کا منکر ہو یا حقیقی امام کے مقابلے کسی اور کی امام تسلیم کرلے تو وہ شخص ایسے ہی ھے جیسا کہ اس نے تمام انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔

مختار ثقفی ناصرف تین اماموں (امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین) کا منکر تھا بلکہ انکے مقابلے میں محمد بن حنفیہ کو امام تسلیم کرتا تھا

سب سے پہلے ہم اہل تشیع کتب سے اس بات تو ثابت کریں گے کہ جو کسی امام کی امامت کا منکر ہو یا حقیقی امام کے مقابلے کسی دوسرے شخص کی امامت کا قائل ہو تو اہل تشیع مذھب میں اسے کیا سمجھا جاتاھے۔اور اسکے بعد اس بات کو حوالے کے ساتھ ثابت کریں گے کہ مختار ثقفی تین اماموں کے امامت کا منکر تھا اور امام زین العابدین جو کہ اہل تشیع حضرات کے متفقہ چوتھے امام ہیں انکے مقابلے میں محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا۔

---

[1] میزان الاعتدال: ترجمہ مختار بن ابی عبید الثقفی حرف المیم: دار الکتب العلمیۃ بیروت: جلد 6 ص 385

[2] تاریخ الخلفاء: بیروت: عبد اللہ بن زبیر ص 252

عقیدہ امامت کی اہمیت:

1. ابویعفور نے حضرت امام جعفر صادق سے سنا فرمایا تین آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت نہ تو ان سے گفتگو کرے گا اور نہ ہی ان کو پاک فرمائے گا اور انکے لئے دردناک عذاب ھے پہلا وہ شخص جو اللہ کی طرف سے امامت کا دعویٰ کرے اور اس لائق نا ہو دوسرا وہ شخص وجو کسی امام کا انکار کرے اور تیسرا وہ جو یہ گمان کرے کہ ان دونوں (یعنی مدعی امامت اور منکر امامت) میں کچھ اسلام ھے۔[1]

2. اسی طرح اعتقادات صدوق میں شیخ صدوق لکھتا ھے کہ

جو امام نہ تھا لیکن اس نے دعوی امامت کیا وہ ظالم ملعون ھے اور جس نے نا اہل کو امام بنایا وہ بھی ظالم ملعون ھے۔ اور جس نے حضرت علی اور انکے بعد آنے والے آئمہ کی امامت کا انکار کیا اسکے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ھے کہ اس نے تمام پیغمبروں کی نبوت کا انکار کیا۔ اور اس شخص کے متعلق کہ جس نے حضرت علی کی امامت کو مانی لیکن بعد کے ائمہ میں سے کسی کی امامت کا انکار کیا۔ ہمارا عقیدہ یہ ھے کہ اس نے تمام پیغمبروں کو مانا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔[2]

مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ جو کسی امام کی امامت کا انکار کرے یا اسکے مقابلے کسی دوسرے شخص کو امام مانے تو ایسا شخص تمام انبیاء علیہم السلام یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر ھے اور اللہ اس سے قیامت والے دن بات نہیں کرے گا اسے پاک نہیں کرے گا وہ ظالم ملعون شخص ہمیشہ دوزخ میں رھے گا۔

اب ہم دلیل کے ساتھ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مختار ثقفی نا صرف تین اماموں کی امامت کا منکر تھا بلکہ حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ کو امام مانتا تھا۔

مختار ثقفی امام حسن حسین وزین العابدین کی امامت کا منکر:

اہل تشیع مسلک کی دو معتبر کتابوں (فرق الشیعہ والشیعہ فی التاریخ) میں یہ بات ذکر ھے کہ

اہل تشیع میں سے ایک فرقہ وہ ھے جو جناب محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل و معتقد ہیں کیونکہ محمد بن حنفیہ یوم البصرہ (جنگ جمل) کے وقت اپنے والد گرامی حضرت علیؓ کے جھنڈے کو اٹھانے والے ہیں۔ انکے دونوں بھائی (امام حسن و حسین) محروم تھے۔ اس فرقہ کا نام کیسانیہ رکھا گیا۔ اسکی وجہ تسمیہ یہ ھے کہ مختار بن ابی عبید ثقفی اس فرقے کا رئیس اور بانی تھا۔ اسکا لقب کیسان تھا۔ یہ وہی شخص ھے کہ جس نے حضرت امام حسینؓ کے خون کا بدلہ طلب کیا۔ اور قصاص مانگا۔ چنانچہ امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کرنے والوں کو چن چن کر قتل کیا۔ اور اسکا اعلان تھا کہ مجھے اس کام پر محمد بن حنفیہ نے مقرر کیا ھے۔

---

[1] بخار الانوار: جلد 46 باب امامت

[2] اعتقادات صدوق: اعتقادات در ظالماں مطبوعہ تہران طبع جدید: ترجمہ فارسی ص 167 باب سی ہشتم

وانه الامام بعد ابیه[1]

اور اپنے والد بزرگوار کے بعد امام وہی ہیں۔

اس حوالے سے ثابت ہوا کہ مختار ثقفی نا صرف تین اماموں کی امامت کا منکر تھا بلکہ امام زین العابدین کے مقابلے میں محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا اور فرقہ کیسانیہ کا بانی تھا۔

اور پچھلی روایات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ایسا شخص جو کسی اور کی امامت کا قائل ہو یا کسی امام کا منکر ہو وہ ظالم، ملعون تمام انبیاء علیہم السلام کا منکر اور دائمی عذاب میں جلنے والا ھے۔

مختار ثقفی کے کذاب اور ملعون ہونے پر آخری حوالہ مزید پیش کر تا جاؤں

مختار ثقفی کا امام زین العابدین کی جانب جھوٹی باتیں منسوب کرنا:

محمد بن الحسن، وعثمان بن حامد، قالا: حدثنا محمد بن يزداد الرازي، عن محمد بن الحسين بن أبي الخطاب، عن عبدالله المزخرف، عن حبيب الخثعمي، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: كان المختار يكذب على علي بن الحسين عليهما السلام.[2]

امام ابو عبداللہ (جعفر صادق) علیہ الرحمہ نے فرمایا:

مختار (بن ابی عبید ثقفی) امام علی بن حسین (زین العابدین) علیہاالرحمہ پر جھوٹ بولتا تھا۔

الحمد للہ مذکورہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ انجینیر محمد علی مرزا نے امام ابن کثیر پر بہتان باندھا تھا۔ امام ابن کثیر نے کذاب مختار ثقفی کی ہرگز تعریف نہیں کی بلکہ امام ابن کثیر اور اہل سنت کی کتب کے مطابق مختار ثقفی بہت بڑا کذاب ملعون اور جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

اور اہل تشیع کے مذھب کے مطابق (امام حسن و حسین وزین العابدین) کی امامت کا انکار کرنے اور انکے مقابلے میں محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہونے کے سبب ظالم ملعون تمام انبیاء کی نبوت کا منکر اور دوئمی دوزخ میں رہنے کا مستحق ھے۔

قارئین سے گذارش ھے کہ ایسا شخص (انجینیر محمد علی مرزا) جو کہ اکابرین امت پر ایسے بہتان لگائے کہ جسکا ثبوت اپنی کتب کے ساتھ ساتھ غیروں کی کتب میں بھی نا ملے تو کیا ایسا شخص اس قابل ھے کہ اسکی کسی بات پر یقین کیا جائے یا اسکو اپنا پیشوا تسلیم کیا جائے۔

اللہ امت مسلمہ کو شریروں کے شر سے محفوظ فرمائے آمین

♦-----♦♦-----♦♦-----♦
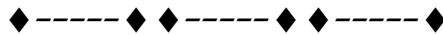
[1] فرق الشیعہ: طبوعہ نجف اشرف طبع جدید: تصنیف حسن بن موسیٰ نوبختی شیعی ص 23م

الشیعہ فی التاریخ تصنیف محمد حسن ص 48 مطبوعہ قاہرہ

[2] رجال الکشی رقم 198

موجودہ انتشار سے نکلنے کا حل انتخاب خداوندی

(محمد توصیف خالد)[1]

دنیا میں دو منصب (نبوت و صحابیت) ایسے ہیں، جو محض عطائے خداوندی ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنی جدوجہد اور تگ و دو سے ان مناصب مقدسہ کو نہیں پا سکتا، اللہ تعالی نے انسانیت کی تکمیل کے لیے اپنے چند برگزیدہ بندوں کا چناؤ کیا۔ ہر نبی و رسول کسی خاص بستی، قبیلہ، علاقہ یا قوم کے لیے مختص تھے لیکن ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے لیے سراپا رحمت و کامل نمونہ بن کر تشریف لائے۔ آپ نے عالمگیر و ابدی پیغام دنیا کے سامنے پیش کیا۔

رب کائنات نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، عادات اور محاسن کو محفوظ رکھنے لے لیے ان مقدس شخصیات کا انتخاب کیا جن کے قلوب کو انبیاء کرام علیھم السلام کے بعد سب سے زیادہ مطہر و مزکی پایا۔ تہامہ کی چوٹیوں سے بلند ہونے والی مبارک صدائے توحید پر ان حضرات نے بلا خوف و خطر لبیک کہتے ہوئے اپنا تن، من دھن نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیا۔

نبوت کی انتھک محنت سے سیر اب ہونے والے اس گلشن کے ہر اک پھول کی مہکتی ہوئی خوشبو سے پوری کائنات معطر ہو گئی۔ نبوت کی ہر اک ادا کا عکسِ مکرم، گلشن نبوی کے گلوں میں نمایاں تھا۔

ے اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

اس منتخب شدہ جماعت نے انبیاء کرام کے مقدس ترین فریضہ کو اپنا کر انسانیت کی کامل و اجمل رہنمائی فرمائی۔ رب عالم یزل نے اس جماعت کو لاریب کتاب میں جابجا خوبصورت القابات سے نوازتے ہوئے خصوصی انعامات و احسانات کا تذکرہ کیا جو ان حضرات کی کامیابی و عمدگی پر پختہ دلیل ہے۔

اس مقدس جماعت نے جان نثاری، غم گساری، وفا شعاری، ایثار و ہمدردی، اخوت و بھائی چارگی کی ایسی لازوال داستانیں تاریخ پر رقم کیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ قاصدِ قیصر روم نے جب ان اہل محبت کو دیکھا تو بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو گیا؛ "میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے، بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے پیروکاروں کو دیکھا، مگر محمد ﷺ کے ساتھیوں سے بڑھ کر کسی مذہبی پیشوا سے اس طور پر محبت کرنے والے نہ دیکھے۔

1 محمد توصیف خالد: طالبعلم درس نظامی

اس جماعت میں شامل ہر ایک فرد، معاشرے کی کامل رہنمائی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے شاگردوں کے متعلق واضح طور پر فرمادیا: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاوگے۔

رب لم یزل نے ان مقدس شخصیات کے قلوب کو دولت ایمان سے مزین کرکے پر کشش و پرنور بنایا، اور کفر وعصیان سے کراہت و تنفر پیدا کرکے سراپا اطاعت وفرمانبرداری بنادیا۔

لاریب کتاب کے اولین مصداق ہی یاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نجات یافتہ جماعت ہی قابل اتباع ہے۔ انھی حضرات سے وابستگی ہی کامیابی و کامرانی کا زینہ ہے۔ گلشن نبوی کا ہر ایک پھول نرالا، منفرد اور انوکھا مقام رکھتا ہے۔ ان حضرات کا انتخاب خود رب العلمین نے کیا اور مزکی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلوب کا تزکیہ اور نفوس کی اصلاح کی جس کی وجہ سے وہ تمام انسانوں پر فائق وفائز رہے۔

کوئی بھی قوم یا فرد طریق صحابہؓ اختیار کیے بغیر اصل کامیابی و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ امت مسلمہ کے لیے موجودہ انتشار و فرقہ واریت سے نکلنے کا واحد حل طریق صحابہؓ واہلبیت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ سیرت صحابہؓ کا سیر حاصل مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں ظلمتوں و تاریکیوں سے نکل کر معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

♦----♦ ♦----♦ ♦----♦
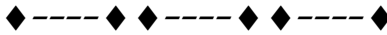
اگر شادی سادگی سے کی تو لوگ غریب سمجھیں گے

(مولانا سعد نعیم)[1]

لوگوں کی ایک نہایت ہی غلط سوچ یہ بن گئی ہے کہ:

• اگر ہم نے اپنی یا اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی سادگی سے کرنے کا فیصلہ کیا تو رشتے دار یا دوسرے لوگ ہمارے معیار (اسٹیٹس) پر شک کریں گے ہمیں چھوٹا یا غریب سمجھیں گے کہیں گے پیسے کم ہونے کی بنا پر سادہ شادی کی کنجوس ہونے کا طعنہ دیں گے وغیرہ۔۔۔

یہ ایک غلط سوچ ہے

یہ سوچ اور لوگوں کی طرف سے اس طرح کارروایہ ہم مسلمانوں خصوصاً پاکستان میں برِ صغیر کے ہندوؤں سے آیا ہے حالانکہ عرب میں افریقہ میں ترک اور آس پاس کے باقی عجم ممالک میں ایسی سوچ بالکل نہیں ہے ہندوؤں کی دھرمی شادی پر نظر ڈالیں تو معلوم پڑتا ہے کہ ان کی شادی سے متعلق کتب کچھ ایسی باتوں سے بھری ہوئی ہیں جو کہ معاشرے میں بھی غیر اخلاقی سمجھی جاتی ہیں شادی کے اندر ایسی تقریبات ورسومات کا اضافہ ہندوؤں کی طرف سے کیا گیا جو کہ اس علاقے کے مسلمانوں میں آئیں اور انہی رسومات نے ہی ایسی پریشان کن سوچ پیدا کر دی کہ باپ اپنی بیٹی کی شادی کرتے ہوئے لوگوں سے ادھار لیتا پھرتا ہے یا پھر ایک عام مسلمان اگر دین کے حکم پر عمل کرتے ہوئے سادگی اور کم خرچ والی شادی کرنا چاہے تو اس کے والدین یا پھر اس کے رشتے دار اس کو کنجوس یا مولوی جیسے مختلف طعنوں سے نواز دیتے ہیں۔

اکثر مسلمانوں کا یہ المیہ ہے کہ وہ بس دنیاداری دنیاوی رکھ رکھاؤ اور دنیا کو ہی خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں یہ ان مسلمانوں کے لیے باعث شرم بات بن گئی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ ﷻ کی خوشنودی کے لیے کوئی کام خود کریں یا لوگوں کو اس کو کرنے کا کہیں شادی کے معاملے میں بھی یہی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ اگر شادی پر پیسہ نا لگایا اور اعلیٰ قسم کے پکوان اعلیٰ جدید قسم کی روشنائی و سجاوٹ لال غالیچہ یا پھر طرح طرح کے پھولوں سے سجا مچان نا ہوا تو:

- رشتے داروں میں ناک کٹ جائے گی
- لوگ ہمیں غریب سمجھیں گے
- ایک ہی / پہلا بیٹا یا بیٹی کی شادی پر بھی پیسہ نہیں لگایا دیکھو کتنا کنجوس باپ ہے / یا وہ بخود

عجیب بات تو یہ ہے کہ اس سب کے پیچھے پہلی وجہ اپنے والدین ہی ہوتے ہیں اور ان کے بعد رشتہ دار یا پھر دوست وغیرہ۔

1۔ مولانا سعد نعیم (فاضل درس نظامی)

شادی اور حکم اللہ ﷻ:

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ سادگی سے شادی کرنے کا حکم اللہ ﷻ نے ہی دیا ہے اور اس شادی میں برکت کا ذمہ بھی لیا ہے جو کم خرچ ہو۔
حدیث ﷺ کا مفہوم ہے کہ کم خرچ نکاح میں برکت ہے۔
لوگوں کو تو جو بولنا ہیں وہ بولتے رہیں گے آپ سب کچھ لوگوں کی چاہت کے مطابق کر بھی لیں تب بھی کوئی نا کوئی بات پیٹھ پیچھے کریں گے مگر اللہ ﷻ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا تو تب اس رب کی ناراضگی لوگوں کی ناخوشی اور آپ کی نئی زندگی مشکلات بحث لڑائیوں کی صورت میں آپ کو نظر آجائے گی۔
لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ ﷻ نے بہت زیادہ حلال دیا ہے تو ہم کیوں نہ خرچ کریں تو شریعت یہ کہتی ہے کہ ضرور کریں لیکن حلال مال کو خرچ بھی حلال (اللہ ﷻ کی بتائی ہوئی) جگہ پر اللہ ﷻ کے بتلایئے ہوئے طریقہ کے مطابق کریں کیونکہ اللہ ﷻ نے اسراف سے منع فرمایا ہے اب چاہے آپ دنیا کے سب سے امیر ترین شخص ہی کیوں نہ ہوں۔

ایک مشورہ:

ایک بات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے خود کر کے دیکھ لیں کہ وہ لوگ جنھوں نے اپنی شادیوں میں وہ تمام رسومات کیں جو کہ خلاف سنت ﷺ اور خلافِ شریعت تھیں (جو کہ عام رواج ہے) ان کے گھروں میں آپ کو وہ سکون دیکھنے کو نہیں ملے گا میاں بیوی کسی نا کسی بات پر الجھتے نظر آئیں گے پریشانیاں مختلف صورتوں میں ہوں گی کبھی معاشی کبھی ازدواجی ذہنی مطابقت نا ہونا برداشت کی کمی سب سے بڑی اولاد کی طرف سے پریشانی یعنی حقیقی وروحانی کم اور بناوٹی ومصنوعی خوشیاں زیادہ ملیں گی ہاں البتہ اگر وہ معافی مانگ کر مومن مسلمان والی رہ پر آجائیں تو بیشک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے اور ہر پریشانی دور کرنے والے ہیں۔
مگر اس کے برعکس ہوتی ہیں ان لوگوں کی زندگیاں جنہوں نے اپنی نئی زندگی کی شروعات ہی اللہ ﷻ کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے سنت ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کی ہوتی ہیں یقین نہیں تو اپنے معاشرے میں بغور جائزہ لے کر دیکھ لیں۔

حاصلِ کلام:

سادگی سے شادی کرنے کا مطلب وہ شادی ہے کہ دنیا کی دولت پاس ہونے کے باوجود اپنی شادی کی ہر تقریب کو آپ ﷺ کی سنت کے مطابق منعقد کریں یاد رکھیں شادی و نکاح اسلام کا جز ہے اور اسلامی تقریب ہے یہ کوئی سماجی تقریب (سوسائٹی کا فنکشن) نہیں ہے کہ اس میں اپنی من مانی سے ہر غیر شرعی کام سرانجام دیا جائے اسے اسی طرح سے منعقد کریں جیسے باقی اسلامی معاملات اسلام کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں ورنہ زندگی تو گزر ہی جائے گی مگر کیا فائدہ جب ہم اپنی زندگی میں اپنے چھوٹے چھوٹے اعمال سے اللہ ﷻ اور ان کے نبی ﷺ کو خوش نا کر سکیں۔ اللہ ﷻ ہمیں ایسا بنا دیں کہ ہم لوگوں کو خوش کر کے اللہ ﷻ کو ناراض کرنے والے نہ بنیں بلکہ اللہ ﷻ کو راضی کرتے ہوئے اگر لوگ ناراض بھی ہوتے ہیں تو ہم اللہ ﷻ کی رضا کو اہمیت دیں۔ آمین